
سائرِ فطرت
از
ناظم زرسخنّ



عکسِ ناظم

شاعر کا نام	ناظم حسین
قلمی نام	ناظم زرسنّر (Nazim ZarSinner)
تاریخِ ولادت	08 دسمبر 2000ء
جائے ولادت	چک چھوٹی شفیع، پاکپتن، پاکستان
والد کا نام	خادم حسین
زبانیں	پنجابی، اردو، انگریزی
ازدواجی حیثیت	شادی شدہ
کتب	بیاضِ ہوس، سائرِ فطرت، حریمِ مریم، حورانِ ارم، شہرِ حریر
	Convexities
رابطہ	WhatsApp: +92 3036906366
	Facebook: Nazim ZarSinner
	Email: nazimhussainsinner@gmail.com

انتساب

میری شاعری پر سب سے گہرا اثر رکھنے والے

اختر شیرانی

کے نام

پیشِ لفظ

"سائرِ فطرت" میری نظموں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں قریباً 100 نظمیں شامل ہیں۔ جدید تحریروں میں میں اپنے نام کے استعمال کو پسند نہیں کرتا، اس لیے "سائرؔ" کا لفظ اپنے لیے استعمال کر لیتا ہوں۔

"سائرِ فطرت" میں شامل کی جانے والی قریباً تمام نظمیں حقیقی زندگی سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ "بیاضِ ہوس" کے برعکس اس کتاب کی تمام نظمیں اخلاقی اقدار پر پورا اترتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو اِس میں کوئی قابلِ اعتراض عبارت نہیں ملے گی۔

اس کتاب میں شامل نظمیں فطری نظاروں، معمولاتِ زندگی کے واقعات، چند مذہبی نظموں اور تراجم پر مشتمل ہیں۔ میں اپنے کام سے مطمئن ہوں اور اسے جاری رکھنے کے لیے پرعزم ہوں۔

ناظم زرسنؔر

آرام

وہ تخیل کی وسعتیں کھو گئی ہیں
سبھی پر سکوں محفلیں کھو گئی ہیں

رکھی تھی مقاصد کی بنیاد جن پر
تھا سوچا بنائیں گی جو کل کو بہتر

وہ اب ساری کچھ ایسی شمعیں بنی ہیں
جو تسکین کی روشنی سے تہی ہیں

بنے گی تھا سوچا کبھی زندگانی
مسرت کی اک جاودانی کہانی

سکوں ہی سکوں، اک جہاں غم نہ ہوگا
نشہ راحتوں کا جہاں کم نہ ہوگا

جہاں سائے ہوں گے بہاروں کے پرتو
تھکا ماندہ جن میں یہ دل سو رہا ہو

تسلسل سے جو کام کے تھک گیا ہے
سکوں جس سے مدت سے یکسر جدا ہے

جو یہ چاہتا ہے چلیں وہ ہوائیں
جو تسکینِ دل کے لیے مسکرائیں

تفکر کے زہراب کو بھی بہائیں
مجھے نیند وہ جاودانی سلائیں

جگائے نہ جس سے کوئی پاس آ کر
ستائے نہ جس میں کوئی خوابِ مضطر

14 مارچ 2020ء

آسمانِ شب

نظارہ آسمانِ شب کا کس قدر حسین ہے
یوں لگتا ہے بلندیوں پہ بھی کوئی زمین ہے

زمیں بنی ہے اُس کی کہتا ہوں جسے حریرِ شب
نہیں ہے وقت کوئی بھی کہوں جسے نظیرِ شب

چراغ جل رہے ہیں آسمانی رفعتوں کے بیچ
نہیں جو جھلملاتے جلنے میں نہیں ہے اونچ نیچ

ستارے کہتے ہیں جنھیں، مقام جن کا ہے بلند
مدھم سی جن کی روشنی جہاں میں سب کو ہے پسند

ہیں ان گنت، بنا رہے ہیں آسمان کو حسیں
سفر میں رہتے ہیں جو رکتے ایک پل کو بھی نہیں

کروڑوں مل کے ہیں بناتے دودھیا سی کہکشاں
شرارے ہیں دہک رہے بلندیوں کے درمیاں

ہے چاند آسماں کا بادشہ، ستاروں کا امیر
جو روشنی بکھیرتا ہے روز اک نئی لکیر

نظارہ دشت کی بھی رات کا ہے کیسا پرطلسم
عیاں سیہ قبا سے جیسے چاندی کا ہو کوئی جسم

سمندری مسافروں کے رہنما بھی ہیں نجوم
کہ رفعتوں نے جن کی ہے مچائی اس جہاں میں دھوم

چراغاں قدرتی چراغوں کی ہے باعثِ طرب
حسیں ترین منظروں میں ایک آسمانِ شب!

26 فروری 2020ء

آغازِ بہار

عروج حسن کا آغاز ہونے کو ہے گلشن پر
سنور جانے کا افشاں راز ہونے کو ہے گلشن پر

خزاں کے دور نے ہیں کر دیں عریاں شاخیں پیڑوں کی
زیادہ جاڑے نے پھر ویراں کر دیں شاخیں پیڑوں کی

حیاتِ طائراں جامد ہوئی ہے آشیانوں میں
نہیں کوئی خوشی حاصل، بجز گزرے زمانوں میں

ہیں کانٹے پیرہن اب نخلِ گل انبار کے بالکل
خزاں دیدہ ہیں پودے اور شجر گلزار کے بالکل

فقط سوکھے ہوئے پتے خزاؤں کے مناظر تھے
بہارِ نو کی خاطر باغ کے سب پودے مضطر تھے

رہی ہے دھند اب تک حائلِ نظارۂ فطرت
بدلتے جا رہے ہیں دن، ہے کھلتی جا رہی قسمت

یقیناً ہو رہی ہے آخری برسات سرما کی
بہار آئے گی نہ کب تک رہے گی رات سرما کی؟

ذرا رم جھم ذرا رم جھم سی ہے کل شام سے جاری
طلب جس کی دلوں میں تھی کئی ایام سے جاری

زمیں اب جگمگا اٹھتی ہے پھر سورج کی کرنوں سے
اتر کر جو دکھاتی ہیں جھلک بادل کے پردوں سے

بہار آنے کو ہے خوشیوں کی دنیا بسنے والی ہے
خزاں دیدہ چمن کی اجڑی دنیا بسنے والی ہے

نئے غنچے، نئے پتے نظر آتے ہیں شاخوں پر
نئی رونق، نئے جلوے نظر آتے ہیں شاخوں پر

چمن کی سرزمیں ہونے کو ہے اب گھاس سے اطلس
چمک میں ہے نمایاں گوہر و الماس سے اطلس

بہار آئینہ ہے تو آرسی ہیں پھول گلشن کی
چمک اٹھا ہے گلشن جیسے پیشانی ہو دلہن کی

حنا کے نخل کی دولت خزاں نے سب چرا لی تھی
قسم اُس نے ہرا ہونے کی لیکن پھر سے کھا لی تھی

ہوئی پوری قسم، اُس پر شگوفے پھر نظر آئے
کہ ہر اک شاخ پر سرسبز پتے پھر نظر آئے

خزاں کے اب اثر سے سب شجر باہر ہو جائیں گے
نمایاں ہر طرف پھر خوش نما منظر ہو جائیں گے

ہے جو موسم سہانا اب تو صحرا بھی چمن ہوں گے
خزاں دیدہ علاقے سب بہاروں کا وطن ہوں گے

رواں پھر ہو گئیں، ندیوں میں کتنا صاف پانی ہے!
حقیقی زندگی اپنی تو پانی کی روانی ہے

بنے ہیں برف سے جھرنے اور اُن سے بہتی ندیاں ہیں
ہے رونق سب ہمارے دم سے پھرتی کہتی ندیاں ہیں

حسیں نظاروں میں چلنا مزہ دیتا ہے لاثانی
سدا مائل ہی رہنا حسن پر فطرت ہے انسانی

چمن دل سے بہاروں کا اب استقبال کرتے ہیں
شجر اک دوسرے کو ہو "مبارک عید" کہتے ہیں

کھلے ہر سمت گل اب رنگ برنگے نیلے پیلے ہیں
مناظر وادیوں کے اور بھی زیادہ نشیلے ہیں

یہ نکہت میں حسینہ کے کسی آنچل کے جیسے ہیں
نفاست دیکھیے تو ریشم و ململ کے جیسے ہیں

چمن کی شان ہیں، تعداد میں تاروں سے بڑھ کر ہیں
زمانے کی سجاوٹ ہیں اور اس دھرتی کا زیور ہیں

کہیں سبزے کے منظر ہیں، کہیں پھولوں کے منظر ہیں
کہیں ہیں تتلیاں پھرتی، کہیں بھنوروں کے منظر ہیں

مگر باد بہاراں خلد کا تحفہ ہے گلشن میں
گلوں کا رقص بھی لگتا بہت اچھا ہے گلشن میں

ہیں شاخیں جھومتی اور پھول ہیں رقصاں بہاروں میں
چمک ایسی ہے پھولوں میں نہیں جیسی ستاروں میں

بہاروں کی صبا بھی شاعروں کی ایک دنیا ہے
حسیں کتنا جہاں میں نکہتوں کا پھیل جانا ہے

سمٹ آیا ہے سارا حسن سارا ان بہاروں میں
گزر اے کاش! جائے زندگی ایسے نظاروں میں

فقط یہ ہی وہ نظارے ہیں جو زینت ہیں دنیا کی
یہ احساسات اور جذبات ہی جنت ہیں دنیا کی

01 مارچ 2019ء

آوارگی

سناتی مجھ کو اے ہم دم سکوتِ شب کے افسانے
مری آوارگی میں رات بھی حائل نہیں ہوتی
مری آوارگی آوارگی کا وہ سمندر ہے
کہ جس کی موج ساحل کی کبھی سائل نہیں ہوتی

دیے ہیں، چاندنی ہے، مشعلیں ہیں اور جگنو ہیں
مری آوارگی پھولوں میں ہے شبنم کی دنیا میں
غمِ دنیا مجھے ہر حال میں اب جھوٹ لگتا ہے
کہ میں سرکش بنا پھرتا ہوں پیچ و خم کی دنیا میں

زمانہ، دھوپ، شبنم، گل، ہوائیں، نکہتیں، رشتے
نہیں کوئی بھی مجھ سے پوچھنے والا کہاں ہوں میں
میں اک ٹوٹا ہوا پتہ ہوں یا گرتا ہوا قطرہ
مجھے لگتا ہے اِس دنیا میں بالکل بے نشاں ہوں میں

میں تنہا چل رہا ہوں، سارے رستے ساتھ ہیں میرے
نہیں رستوں کے بن کوئی جہاں میں ہم سفر میرا
سراغ اب تک نہیں پایا کسی نے خاک میری کا
ہوا سب وقت بس آوارگی میں ہی بسر میرا

نہیں معلوم منزل ہے کہاں میری زمانے میں
میں ہوں، آوارگی ہے اور اس دنیا کے رستے ہیں
اڑاتا خاک ہوں پھرتا کئی رستوں پہ برسوں سے
کئی رستے قدم میرے اٹھانے کو ترستے ہیں

21 جنوری 2020ء

آواز

رنگینی زبان ہے کلی کی
پرواز صدا ہے ہر پری کی

جگنو کی چمک بھی اک صدا ہے
آواز بہار کی صبا ہے

دیتا ہے پیام چاند شب کا
ہر جھونکا ثبوت ہے سبب کا

طائر ہیں چمن میں چہچہاتے
ہیں دھوپ میں قطرے جگمگاتے

خود میں لے ہے یہ شفق کی رنگت
پھولوں کی صدا ہے اُن کی نکہت

آواز شرار کی چمک ہے
گلشن کی صدا حسیں مہک ہے

آواز ہے با صدا خموشی
پودوں کا کلام گل فروشی

آتش فشاں کی زباں ہیں شعلے
شمعوں پہ بھی نوفشاں ہیں شعلے

ہر زمستاں کی صدا ہے سردی
آواز مٹھاس ہے ثمر کی

آواز غرض ہے سب کی نادر
آواز زبان کی ہیں شاعر

23 جنوری 2020ء

الوداع

زندگی ایک سفر اور مسافر ہیں ہم
اپنی منزل کی جو راہوں میں ملے تھے باہم

ہم سفر زندگی کی رہ میں بہت ملتے ہیں
پر مسافر کبھی راہوں میں نہیں رکتے ہیں

اس سفر میں کئی رشتے بھی ہیں قائم ہوتے!
اجنبی لوگ بھی لگتے ہیں بہت ہی پیارے

ہم نہیں ملتے یہاں ہم کو ملاتے ہیں نصیب
دل شکن کتنی جدائی کی ہے ہوتی تقریب!

زیست کی راہ میں رکنے کی اجازت ہی نہیں
رکنا چاہیں بھی تو ملتی ہمیں فرصت ہی نہیں

رات آتی ہے سدا دن میں بدلنے کے لیے
صبح بجھتے ہیں دیے رات کو جلنے کے لیے

پھول کھلتے ہیں ہمیشہ ہی بکھرنے کے لیے
لوگ ملتے ہیں ہمیشہ ہی بچھڑنے کے لیے

کل ملے تھے یہیں ہم، آج بچھڑ جائیں گے
نہیں معلوم، دوبارا کبھی مل پائیں گے

یہ در و بام بہت جلد بھلا دیں گے ہمیں
اور ایام بھی جینے کی سزا دیں گے ہمیں

"اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں"*

الوداع اے مرے دل پارو! سدا شاد رہو
آج بچھڑو مگر ایسے کہ سدا یاد رہو

*احمد فراز سے تضمین

18 مارچ 2020ء

ابتدائے شب

عروسِ شب کی زلفیں جب سفید آنچل ہٹا، بکھریں
ہوائیں چل پڑیں اور ساتھ ہی تاریکیاں پھیلیں

شفق کی سرخ چادر سے رُخِ زہرہ تھا جلوہ گر
مشارق کے اندھیروں سے دلِ مغرب بھی تھا مضطر

شفق کی لالیاں لحظہ بہ لحظہ غرقِ ظلمت تھیں
بدوشِ شب سبھی کلیاں ہوائے شام کی مہکیں

سما کی نیلگوں رنگت میں آمیزش سیاہی کی
ہر اک ذرّے پہ غالب خاکِ پا کے عکسِ تاریکی

سفیدی ابر کی مستور کرتی تھی ستاروں کو
کہ موسیقارِ شب تھی چھیڑتی کچھ دل کے تاروں کو

ستارے دیکھتے تھے آسماں سے اہلِ دنیا کو
تخیّل چھو رہا تھا دامنِ جانِ تمنا کو

کنارے پر میں بہتی نہر کے پھرتا اکیلا تھا
میں تھا، تاریکیاں تھیں، شام تھی، اور سونا رستہ تھا

ہوائیں رک گئی تھیں جس طرح اُس شام کی سانسیں
وہ منظر دیکھ کر تھیں رک رہی اصنام کی سانسیں

درختوں کی قطاریں دور تک تاریک منظر میں
گیاہِ خشک، سطحِ اوس، کچھ تحریک منظر میں

فضائیں سو رہی تھیں، خواب میں تھے ریت کے ذرّے
مسافر جوڑیوں میں سامنے سے میرے تب گزرے

میں پیدل، وہ سواری پر؛ میں آوارہ، وہ بامنزل
سکوں کی وادیوں میں غرق تھے میں اور میرا دل

بہت سے کھیت گندم کے، مہکتے پھول سرسوں کے
قریبی گاؤں تھوڑے فاصلے پر دو دمکتے تھے

درختوں جھاڑیوں پر جب کہیں سے روشنی پڑتی
لکیر اک روشنی اور تیرگی کے بیچ پڑ جاتی

ہر اک پتا درختوں کا تھا شیشم کے سکوں میں گم
حقیقت، ہر حقیقت ہو رہی تھی اُس فسوں میں گم

شفق کا رنگ غائب ہو چکا تھا روئے مغرب سے
ہلالی رات تھی، ہستی کے خود پردوں پہ پردے تھے

اِسی تنہائی کی مدّت سے جویا تھیں مری نظریں
عروسِ شب نے مجھ کو لے لیا تھا اپنے آنچل میں

26 مارچ 2020ء

الوداع عشرۂ سکون

آج کی رات اِس اندھیرے میں
میرا ماضی بہالے جائے گی
ایک عشرے کے لمبے عرصے کو
ایک پل میں بہالے جائے گی

وقت کے بے نشان قدموں کا
چاہتا ہوں سراغ مل جائے
کیسا تاریک ہوگا مستقبل
کوئی روشن چراغ مل جائے

وقت تیزی سے بیت جاتا ہے
کاش اِس کو بھی پیار ہو جاتا
غرق ہوں جیسے میں خیالوں میں
یہ ٹھہر جاتا اور کھو جاتا

زندگی کی حسین راہوں میں
دس برس آج اجنبی ہوں گے
اور جو کھو چکے ہیں میں اب تک
اب یہ اُن میں شمار بھی ہوں گے

یادگار اِک حسین خواب ہو تم
جیسے جنت میں صبح مہکی ہو
الوداع! اے جھروکو ماضی کے
یاد آؤ گے تم بہت مجھ کو

31دسمبر 2019ء

انتظارِ صبح

پیغام دے رہا ہے مجھ کو سکوت شب کا
بیدار کرنے والے اب خود ہی سو رہے ہیں
روشن نہیں ستارے تاریک شب ہے اتنی
ہے وقت قیمتی پر غفلت میں کھو رہے ہیں

ہے اِس قدر اندھیرا دنیا میں آج شب کی
اپنے ہی نور سے ہیں سارے چراغ ڈرتے
منزل کا اب مسافر کوئی نہیں نظر میں
افراد راستے پر پاؤں نہیں ہیں دھرتے

ہے چاند سو رہا اب دکھتا کہیں نہیں ہے
گھیرے سحاب ہیں اب، چند ایک ہیں ستارے
اتنی ہوئی محبت اندھیر وادیوں سے
ڈرتے ہیں روشنی سے آفاق کے کنارے

لیکن مجھے یقیں ہے، منظر یہ عارضی ہے
پردے میں بادلوں کے کب تک قمر رہے گا
ہیں منتظر ستارے پھر دید پروری کو
خوابیدہ ہیں ستارے یوں کب تلک رہے گا

کب تک اندھیر بستی ظلمت میں ہی رہے گی
سطوت یہ ظلمتوں کی زیر و زبر نہ ہوگی
اے شب وجود تیرا باقی رہے گا کب تک؟
سورج طلوع ہوگا، کب تک سحر نہ ہوگی؟

20جنوری 2020ء

ایک حادثہ

(19 نومبر 2019ء کے حادثے کی یاد میں)

اک سحر، قاتل ہوائیں، مست اور سفاک دن
روشنی سورج کی چھانہ پائی تھی اب تک وہاں
سمتِ مشرق شہرِ عارف سے فقط اک ڈیڑھ کوس
دیدنی تھی گاڑیوں کی برق رفتاری جہاں

نیلی گاڑی جا رہی تھی اور متواتر سڑک
جس پہ ہچکولوں کو لانا ذہن میں بھی تھا گناہ
جب اچانک آئی اُس کے سامنے اک اور بس
کی مُسَوَّر نے خطا ایسی کہ بس رب کی پناہ

اک ہی لمحے میں تماشہ کیا اجل دکھلا گئی
تھی بری تقدیر جو واں اُس کو لے کر آ گئی
اک ٹرک سے جا کے اُس کی راہ پر ٹکرا گئی
ضرب کچھ ایسی لگی کہ کرچیاں بکھرا گئی

خون کے دھبے لگے شیشے کے ٹکڑے ہر طرف
اور گاڑی بھی اگرچہ ہو گئی بالکل تباہ
وائے غلطی ایک انساں کی کہ جس نے صبح کو
خون سے رنگین کر دی شبنمی یادوں کی راہ

اور تماشہ دیکھنے آیا تھا لوگوں کا ہجوم
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال گزرے تیس لوگ
جس کی غلطی سے ہوا سب کچھ وہ آخر بچ گیا
اور خوں ریز اُس سحر میں مر گئے اکیس لوگ

21 نومبر 2019ء

ایک لڑکا

کبھی اک شوخ سا لڑکا رہا کرتا تھا بستی میں
مٹا دیتا تھا جو خوشیوں کے اک پل میں تجسس کو

وہ آوارہ پھرا کرتا تھا اس بستی میں بے پروا
نہیں محفوظ تھا اُس کی شرارت سے کوئی بھی گھر

سبھی وہ نکہتوں سے اس چمن کی خوب واقف تھا
بچوں کے ساتھ گلیوں میں وہ گھنٹوں خاک اڑاتا تھا

کبھی کھلیان میں تھا تو کبھی تھا اس گلستاں میں
نہیں ملتی تھی فرصت کھیلنے سے سارا سارا دن

پسند اُس کو نہانا تھا بہت برکھا کے پانی میں
سبھی گاؤں کے لڑکے دوست تھے، ایسی طبیعت تھی

کلی تھی اک کبھی جس سے بہت اُس کو محبت تھی
وہ سحر و شام پہروں پھرتا صحنِ گلستانی میں

کبھی سوچا نہیں تھا بستی کیسی ہو گی اُس کے بن
کبھی الجھا نہیں تھا وہ مسائل ہائے پیچاں میں

یہاں سے پھول تو اُس پھول سے شبنم چراتا تھا
تفکر کی تو اُس کے دل سے کافی دور تھی دنیا

نہیں جاتا تھا گھر تاروں بھری راتوں میں وہ اکثر
نہیں وہ سوچتا تھا یہ مزاجِ زندگی کیسا

کسی سے اختلاطِ ناز میں ملتا تھا چین اُس کو
مگر وہ کھو گیا آخر مسائل ہائے ہستی میں

13 مارچ 2020ء

بچوں کو وقت دیجیے

دنیا کے کام کاج میں دنیا تمام الجھ گئی
دنیا تمام زر نہیں تھوڑی تو فکر کیجیے
رشتوں کی ہے کچھ اہمیت، اپنوں کا کچھ مقام ہے
ساری وفائیں مٹ گئیں، تھوڑی تو فکر کیجیے

بچے ہیں بد نصیب جو ترسے ہمارے پیار کو
بچے ہمارے پھول ہیں ہم نے جنھیں مسل دیا
چہرے وہ تکتے رہ گئے اپنوں کے پیار کے لیے
ہم نے تلاشِ قرب کو پاؤں تلے کچل دیا

بدلا زمانہ ہم نے تو پیچھا چھڑانے کے لیے
علم و ہنر کے نام پر غیروں کے ہاتھ دے دیے
پیدا کیا نہ اپنا پن، نام کے ہم ہیں والدین
مانیں ہماری بات وہ سوچیں ذرا سا کس لیے؟

بچے ترستے ہیں ہمیں، کیسے سکوں ملے ہمیں؟
دنیا کی فکر کیجیے، اُن کی بھی فکر کیجیے
بچے ہیں اپنے پیار کے سب سے زیادہ مستحق
پائے گا دل بہت سکوں بچوں کو وقت دیجیے

02 جون 2020ء

بڑا شہر، بڑی تنہائی

ہائی وے پر میں چل کے دیکھتا ہوں
شہر کی رونقیں ہیں لا محدود
ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے
تیرگی بھی نہیں مگر نابود

اونچی اونچی عمارتیں بے حس
جن میں اک دل کو بھی قرار نہیں
اجنبی سب پڑوسی آپس میں
اور کسی کا بھی اعتبار نہیں

ہر جگہ آدمی ہی آدمی ہیں
گاڑیاں سڑکوں پر، دکانوں پہ رش
پارک اور، منڈیاں، بھرے بازار
دفتروں اور طعام خانوں پہ رش

شہر میں ہے ہجومِ تنہائی
دوستوں کا کوئی پتہ ہی نہیں
لاکھوں لوگوں کے بیچ رہتا ہوں
اور کوئی مجھ کو جانتا ہی نہیں

10 اکتوبر 2021ء

برسات

جاؤں میں جس طرف بھی یہ بات ہو رہی ہے
ساون میں بارشوں کی بہتات ہو رہی ہے
اک پل نہیں ٹھہرتی، دن رات ہو رہی ہے
نازل یہ برکھا لے کر آفات ہو رہی ہے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

دریا اُمڈ پڑے ہیں، میدان بھی ہیں جل تھل
چاول کی فصل والے کھلیان بھی ہیں جل تھل
بارش سے اب تو دشتِ خاران بھی ہیں جل تھل
دنیا کے سارے جنگل ویران بھی ہیں جل تھل

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

دیکھو جدھر بھی چھائے ہیں آسماں پہ بادل
جانے کہاں سے آئے ہیں آسماں پہ بادل
قدرت نے ہی سجائے ہیں آسماں پہ بادل
برکھا کی رت کو لائے ہیں آسماں پہ بادل

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بادل ہی ہر طرف ہیں، جانے کہاں ہے سورج
پردے میں بادلوں کے کب سے نہاں ہے سورج
بادل کے پردے میں سے ہوتا عیاں ہے سورج
نادیدہ کچھ دنوں سے ہوتا بیاں ہے سورج

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

ہر وقت چل رہی ہیں یاں موسمی ہوائیں
آتی ہیں جن میں چھپ کر تکلیف دہ بلائیں
تاریکیاں ہیں باہر پردے کو جو ہٹائیں
گہری بہت ہے ظلمت، تاریک ہیں فضائیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

کوئی نہیں نکلتا چھائی ہے یوں خموشی
ہے وقت بیتنا بھی کرتا فزوں خموشی
ہے چھینتی مرے تو دل کا سکوں خموشی
کوئی نہیں بتاتا اِتنی ہے کیوں خموشی؟

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

روشن جو شمع کیجے فوراً ہی بجھ ہے جاتی
اِس کی ضیا، نہیں اب دو پل بھی مسکراتی
شاید یہ بجھ کے جل کے ہے داستاں سناتی
میرے جگر کو تو ہے یہ سرد شب جلاتی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

اب وقت شام کا ہے، بادل بھی ہیں گلابی
تنہائیوں میں اپنی ہے طبع اضطرابی
بادل نشے میں دھت ہیں، موسم بھی ہے شرابی
کہتے ہیں خوب برسا سارے ہی خاکی آبی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

سارے کا سارا ہی ہے رستہ خام پھسلن
کیچڑ بنی ہیں سڑکیں، ہر سمت عام پھسلن
ہے اصل میں تو دلدل ہے جس کا نام پھسلن
چلنا بہت ہے مشکل، ہے صبح و شام پھسلن

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

اڑتے نہیں پرندے، اب پر ہو شل گئے ہیں
کیا ہو گیا ہے اِن کو؟ بادل مچل گئے ہیں
تھا ناز تو بہ جن کو وہ بھی پگھل گئے ہیں
ہے رات یہ ملن کی، دیپک بھی جل گئے ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بھیگا ہے خام ایندھن، چولہے پڑے ہیں ٹھنڈے
کیا آ کے اپنے گاڑے ہیں بادلوں نے جھنڈے
بوڑھے نہیں نکلتے، نو عمر لے کے ڈنڈے
سردی سے بچنا چاہو تو خوب کھاؤ انڈے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

محفل میں خلوتوں کی خاموش میرے جیسے
تنہائیوں کے مارے بے ہوش میرے جیسے
بارش میں رہتے ہیں کب روپوش میرے جیسے
ہیں پوچھتے ہمارا کیا دوش میرے جیسے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

غصے کے بل پہ اپنے بادل گرج رہے ہیں
ماتھا لگا ہے تپنے، بادل گرج رہے ہیں
ڈر ہے لگا پنپنے، بادل گرج رہے ہیں
دیکھو حسیں نہ سپنے، بادل گرج رہے ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

چہرے کا چاندنی کے نقاب بادل اب ہیں
کچھ اور برسنے کو بھی بے تاب بادل اب ہیں
چہرۂ آسماں کی بھی آب بادل اب ہیں
اور رلانا چاہتے اک سیلاب بادل اب ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

اور رات کے سمے کچھ، بارش کا زور آنا
بارش کے پانیوں میں بہنے کا دور آنا
چاروں طرف سے ژالے گرنے کا شور آنا
فریاد کرنا رک جا، تو بڑھ کے اور آنا

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بادل نگر کو دریا کرنے پہ تل گئے ہیں
پانی ہی پانی دنیا کرنے پہ تل گئے ہیں
یہ جھونپڑوں میں پانی بھرنے پہ تل گئے ہیں
تھے جو بہت بہادر، ڈرنے پہ تل گئے ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش کی ننھی ننھی گرنے لگی ہیں بوندیں
بے رنگ ٹھنڈی ٹھنڈی گرنے لگی ہیں بوندیں
چلائے بچے ہلکی گرنے لگی ہیں بوندیں
ہر صاف کردو نالی گرنے لگی ہیں بوندیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

آئے زمیں پہ ننھے قطرے قطار بن کر
گرنے لگے زمیں پر موتی کے ہار بن کر
دشت زمیں پہ جیسے برسیں بہار بن کر
سوکھی لگی ہے گی اب آبشار بن کر

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

ارض و سما کی رنگت اب تو سیاہ سی ہے
ڈرتے ہوئے سبھی کی اٹھتی نگاہ سی ہے
حالت خراب سب کی، بستی تباہ سی ہے
خاموش چشمِ خلقت اس کی گواہ سی ہے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

غصے سے پھولے بادل اب جانے کیا کریں گے
یہ آسماں سے نازل کوئی بلا کریں گے
فتنہ فساد برپا ہر ایک جا کریں گے
شاید کہ ساری دنیا کو یہ فنا کریں گے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش کے قطرے گرنا اب تیز ہو گئے ہیں
پہلے سے بڑھ کے دہشت انگیز ہو گئے ہیں
فطرت میں اپنی ظالم چنگیز ہو گئے ہیں
اوّل جو سب نہ برسے نوخیز ہو گئے ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش برس رہی ہے فوّاروں کی طرح سے
قطرے نظر ہیں آتے دیواروں کی طرح سے
چمکیں ہیں بجلیوں میں انگاروں کی طرح سے
پر کیف لیک ظالم نظاروں کی طرح سے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش برس رہی ہے اور رات کا اندھیرا
بوندوں کی تیرگی اور قطرات کا اندھیرا
اور اس طرح کے مشکل حالات کا اندھیرا
باہر بیان سے ہے برسات کا اندھیرا

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

دہشت دلا رہی ہیں پانی میں ڈوبی گلیاں
بادل بنے ہوئے ہیں اب بن بلائے مہماں
ہے لڑکھڑا رہی اب ہر ایک شمعِ سوزاں
گلیاں نظر ہیں آتی جیسے ہوں بہتی ندیاں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

خوش کر رہی ہے ہم کو بجلی چمک رہی ہے
کم کر رہی ہے غم کو بجلی چمک رہی ہے
دہشت ہے چشمِ نم کو بجلی چمک رہی ہے
باہر نہ دھر قدم کو بجلی چمک رہی ہے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

ہو آسماں دوپارہ جب ہے چمکتی بجلی
خوش کن ہے وہ نظارہ جب ہے چمکتی بجلی
شدت کا ہے اشارہ جب ہے چمکتی بجلی
ڈر جائیں ہیں دوبارہ جب ہے چمکتی بجلی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بجلی چمکنے سے ہے سب آسمان روشن
ویران ساری جگہیں، سارے مکان روشن
ساری زمین روشن، سارا زمان روشن
بجلی نے کر دیا ہے سارا جہان روشن

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

ہے عارضی و لیکن بجلی کی یہ چمک بھی
ہے عارضی حسیں ان نظاروں کی جھلک بھی
ہے عارضی سما پر رنگین ہر دھنک بھی
موسیقیوں کی خوش کن لے اور ہر جھنک بھی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش کے پانیوں میں اموال تیرتے ہیں
غربت سے جو بھی گھر تھے بدحال تیرتے ہیں
امراء گھروں میں بیٹھے، کنگال تیرتے ہیں
ہیں دیکھتے زمانے کی چال تیرتے ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش برس رہی ہے ہر ایک پل کو رم جھم
شاید گرانا چاہے گی اب جبل کو رم جھم
اب کر رہی ہیں افزوں گلیوں میں جل کو رم جھم
لگتا ہے تیز ہو گی کچھ اور کل کو رم جھم

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بچنے کی کوششیں ہیں اب تو خطا کی صورت
بارش برس رہی ہے ظالم بلا کی صورت
آتی نہیں نظر اب کوئی بقاء کی صورت
ہر لہر برکھا کی ہے تیرِ قضا کی صورت

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

آفت بنی ہوئی ہے بارش کی یہ روانی
دیکھو جدھر بھی اب تو دکھتا ہے بہتا پانی
بارش کے پردے میں ہیں آفات ناگہانی
اور ہے طویل کافی یہ دکھ بھری کہانی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

ہر اک سڑک ہے، پختہ اب زیرِ آب آئی
حالت نظر نگر کی بے حد خراب آئی
سیلاب بن گئی جو موج سراب آئی
دنیا نظر ہے ساری مجھ کو حباب آئی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

کیسا، خبر نہیں کچھ، خوف و خطر ہے دل میں
اندیشہ کوئی شاید کرتا سفر ہے دل میں
بارش کے تیز ہونے کا بھی تو ڈر ہے دل میں
بچنے کا بھی گیا اب کھٹکا ابھر ہے دل میں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

قسمت نہ تھی کہ راحت ملتی دکھائی دیتی
بچنے کی کوئی صورت ملتی دکھائی دیتی
تھی زندگی ہمیں تو جاتی دکھائی دیتی
کوشش بھی کرتے ہم گر، ہوتی دکھائی دیتی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

پھر رات کا سمے ہے، بادل کا ہے بسیرا
دنیا کو چھوڑ ساری بس اک نگر کو گھیرا
بادل لگے گرجنے، بڑھنے لگا اندھیرا
شب ہو جو اس طرح کی، تو کیسے ہو سویرا؟

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بجھ جاتی ہے ہوا سے مشعل بھی گر جلائیں
ایسے میں عشرتوں کی مے کیسے ہم پلائیں
ہو سکتا ہے ہوائیں شعلوں کو بھی اڑائیں
یہ سوچ کر ہیں بیٹھے جوں توں یہ شب بتائیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

برسات ہو رہی ہے، دریا امڈ پڑے ہیں
اشجار بھی بہت سے جڑ سے اکھڑ گئے ہیں
کتنے نہ جانے گھر بھی پانی میں بہہ چکے ہیں
بارش نے اک جہاں کے چھکّے چھڑا دیے ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

ہر سمت بہہ رہے ہیں پانی کے صاف جھرنے
رستے بدل رہے ہیں، کر اختلاف جھرنے
آئے ہیں کل زمیں کا کر کے طواف جھرنے
مٹی پہ چھا گئے ہیں بن کر غلاف جھرنے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

رستوں کے ساتھ سرسبز اشجار گر رہے ہیں
نامی گرامی رہ میں سالار گر رہے ہیں
کمزور مسجدوں کے مینار گر رہے ہیں
بیٹھے ہیں مست گھر میں، ہشیار گر رہے ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

شور اٹھا اُس طرف سے پھر اک جوان پھسلا
چلتے ہوئے ہیں دیکھیں کیوں کر ندان پھسلا
باہر سے جو بھی آیا، سب کا بیان "پھسلا"
اِس گھر کی چھت تو اُس کا ہے سائبان پھسلا

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

مفلس کے ڈھا رہی ہے ہر ایک گھر کو بارش
لے جائے گی بہا کر سارے نگر کو بارش
شاید لپیٹ لے گی شمس و قمر کو بارش
ہر صبح و شام بارش، دن دوپہر کو بارش

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

گھر کی ضرورتوں کا سارا اسمان ہے بند
بازار کو جو دیکھیں ہر اک دکان ہے بند
دن بھر کی ساعتوں میں ہر ایک آن ہے بند
لگتا ہے جیسے کاروبارِ جہان ہے بند

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

لوگوں کی اب صدائیں پر سوز ہو رہی ہیں
پہلے نہ برسی ماہوں اب روز ہو رہی ہیں
یہ ساری باتیں حکمت آموز ہو رہی ہیں
صحرائی وادیاں لطف اندوز ہو رہی ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش کے پانیوں میں پنہاں بڑے خطر ہیں
حرکت میں بن کے سارے پودے ہیں اور شجر ہیں
تاریکیوں میں ڈوبے دریا ہیں اور نگر ہیں
جانے پہ برسے بادل اب بن رکے مصر ہیں

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

ہے آ رہا نظر ہم کو تو تباہ سب کچھ
بارش میں ہو گیا ہے بالکل سیاہ سب کچھ
برکھا میں بہہ رہا ہے سب زادِ راہ سب کچھ
پانی میں بہہ رہا ہے انساں کا آہ! سب کچھ

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

پردے میں بادلوں کے کیا آسماں کی رونق؟
ہے لٹ گئی پہر میں ہر اک نشاں کی رونق
بادل چرا چکے ہیں سارے جہاں کی رونق
برسات میں ہو جائی جیسے خزاں کی رونق

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

پردے میں چھپ گئے ہیں بارش میں چاند تارے
چھپ جاتے ہیں برابر تابش میں چاند تارے
ہر وقت چھپنے کی ہیں کوشش میں چاند تارے
چھپتے ہیں جانے کس کی خواہش میں چاند تارے

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

چھائے ہیں چاند کے بھی چہرے کے آگے بادل
جو بن سحابوں پر ہے پانی سے بھی ہیں بوجھل
اک لمحہ چاند ظاہر، پنہاں ہے دوسرے پل
اِس کشمکش میں اُس کی جاتی ہے ساری شب ڈھل

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

شاخیں ہیں رقصاں دیکھو اک پل کو صبح بارش
کلیاں ہیں خنداں دیکھو اک پل کو صبح بارش
سارا جہاں ہے تاباں دیکھو تو صبح بارش
پانی میں غرق گلیاں، دیکھو تو صبح بارش

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

دیواروں پر ہیں بیٹھے آکر بچارے پنچھی
پھرتے ہیں اِن دنوں میں یوں مارے مارے پنچھی
افتاد میں گھرے ہیں سارے کے سارے پنچھی
کرتے دعائیں کر کے پر کے اشارے پنچھی

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بنتی ہے آسماں پر جو قوسِ قزح ست رنگ
کیا خوب ہے بناوٹ، کیا خوب اُس کا آہنگ
پریوں کے پر کھلے ہیں، اڑتی ہیں پھرتی سب سنگ
بارش طویل اپنی رکھتی ہے ایک فرہنگ

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

سب کچھ تباہ کرنے آتے ہیں جب کہ ژالے
پکتی ہیں فصلیں، ایسا ہے کون جو سنبھالے
پودوں سے گر رہے ہیں پھل جان و دل سے پالے
سب کی دعا ہے "یا رب! کر رحم اور بچالے!"

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

برسات ہو رہی ہے پھر بن رکے دن و شب
کب صاف ہو گا موسم اور دھوپ نکلے گی کب؟
فریاد ہے سبھی کی "اب دھوپ نکلے، یارب!
اللہ رحم ہم پر، برباد ہو گئے سب!"

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

بارش سے منسلک ہیں جذباتِ شاعرانہ
ارمان عمر بھر کے اور دیدِ طائرانہ
ہوتا ہے پاس اُن کے لفظوں کا اک خزانہ
کر دیتے ہیں بیاں وہ لفظوں میں سب زمانہ

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

برسات ہو رہی ہے، بادل کھڑے ہیں قائم
گر حال یہ رہا تو سب ڈوبنا ہے لازم
پانی بہا رہے ہیں، بادل بنے ہیں حاتم
یادِ نظیر تازہ پھر کر رہا ہے ناظم

جل تھل ہیں ساری ندیاں، برسات ہو رہی ہے

18 جولائی - 19-20-21 اگست - 09 ستمبر - 24 دسمبر
2019ء

بہار آ گئی ہے

بہت کیف افزا ہوا چل رہی ہے
مناظر ہیں جاذب، فضا مست سی ہے
جدھر دیکھیے ہر سو رُت ہی نئی ہے

نگاہوں کا بن کے قرار آ گئی ہے
زمانے میں ہر سو بہار آ گئی ہے

چمن سج گئے اور ہیں اشجار رنگیں
بہت جن سے ملتی دلوں کو ہے تسکیں
سرِ رہ گزر شبنمی کلیاں چٹکیں

جو رُت سب سے ہے خوش گوار، آ گئی ہے
ہے ہر سمت سبزہ، بہار آ گئی ہے

گلستان پھر سے حسیں ہو گئے ہیں
کہ رنگت میں گل پھر نگیں ہو گئے ہیں
نزاکت میں زہرہ جبیں ہو گئے ہیں

زمانے کو دینے نکھار آ گئی ہے
چمن ہیں مہکتے، بہار آ گئی ہے

مٹر، فل، گلاب، ایلسی کے گلوں پر
چمکتے ہیں قطراتِ شبنم جوں گوہر
چمن کے مناظر ہیں آغوشِ دلبر

وہ رُت جس سے سب کو ہے پیار، آ گئی ہے
منا جشن اے دل! پھر بہار آ گئی ہے

02 مارچ 2021ء

بسنت گالا 2021ء

بسنت تھی شروع اور کھیلوں کے مقابلوں
کی ابتدا بھی ہو گئی سبھی ڈیپارٹمنٹس میں
رخوں پہ شائقین کے تھیں کیسی مسکراہٹیں
سب آ رہے تھے جب کھلاڑی رنگیں گارمنٹس میں

تھا ربط میرا اکوکسٹری ڈیپارٹمنٹ سے
میں اردو کے بھی ساتھ تھا جو آ رہے تھے پہلی بار
سفیدے کے درخت تھے محیط اس گراؤنڈ کا
ہوائیں دھیمی دھیمی، دھوپ لگ رہی تھی خوش گوار

کھلاڑیوں کے گرد شائقین کے ہجوم سے
فلک شگاف نعرے زوروں سے تھے ہو رہے بلند
"کمال"، "چھکا"، "چوکا"، "سنگل" اور "ڈبل"، "نو بال"، "آؤٹ"
"اچھل لیں"، "باری آنے دو"، "کریں گے ان کے ہم منھ بند"

بہت بھلی تھی لگ رہی مزاحیہ کمینٹری
"خریدی ساڑھے تین سو میں سب سے مہنگی ٹیم ہے"
"ہیں پہنچے پندرہ منٹ میں باؤلر کریز پر
یوں دوڑیں تو ملیں گے آدھے گھنٹے میں ہڑپہ سے"

گلابی اور پیلے آنچلوں کو سر پہ اوڑھ کر
فزکس، اکانومکس کے ڈیپارٹمنٹس کی لڑکیاں
مچا رہیں تھیں شور اپنی ٹیموں کی سپورٹ میں
"گو آئی ٹی"، "فزکس لو یو"، "ویری گڈ"، "لگا دو جاں"

تھی اردو ٹیم اچھی، فائنل میں جو پہنچ گئی
نصیب فتح اکانومکس کو ہوئی پہ غم نہیں
تھا ایک گھنٹہ پہلے میچ، اب ہے میداں ویراں، حیف!
قلیل وقت کے لیے ہیں سب مناظرِ حسیں

04 مارچ 2021ء

بہروپیہ

جوانی کی نوخیز دنیا میں کچھ حسن والوں کی کوئی کمی تو نہیں تھی
ولیکن وہ شرمیلی باپردہ لڑکی ذرا دوسروں سے زیادہ حسیں تھی

چھپائے ہوئے منہ تک اپنا سیاہ ایک برقع میں پھرتی تھی وہ بزم میں کیوں؟
جو کوئی بھی تھی لیک اپنی نگاہوں پہ چل نہ سکا کوئی بھی اُس کا افسوں

عرب نازنینوں کی نازک اداؤں میں ڈوبی ہوئی انکھڑیوں کے اشارے
یا جیسے کوئی راج دھانی میں دل کی بلائے اکیلے میں دریا کنارے

کسی سے نہ پوچھا ولیکن قسم سے اُسے میں نہ بالکل بھی پہچانتا تھا
نہیں یاد کیا کام تھا مجھ کو کہ وقت سے پہلے ہی واں سے میں چل دیا تھا

مجھے واپس آنا تھا محفل میں لیکن تصوّر سے تھامٹ چکا دھیان سب کا
جواں کوئی لڑکا خوشی سے یہ دیکھا کہ محفل سے باہر چلا جا رہا تھا

میں دوبارہ جب بزم میں پہنچا دیکھا اندھیرے میں تھے ٹمٹماتے ستارے
ملے لڑکی کا برقعہ کپڑے اندر، تھیں جیبیں کٹی، لوگ بے ہوش سارے

12 جون 2020ء

پنجاب

پنجاب کا نشان ہیں شیشم کے یہ درخت
جنت کے گلستان سی ٹھنڈی ہے جن کی چھاؤں

وہ چہچہے طیور کے۔ بس کام کام کام
جس سے کساں کے تھک کے بھی رکتے نہیں ہیں پاؤں

دے کر خدا نے اس کو بنایا اناج گھر
سونا اگلتی سرزمیں جنت نظیر گاؤں

01 جون 2020ء

بے کیف دنیا

لطف اپنی نزاکت کا ہے کھو چکی یہ دنیا
بے کیف صبا ہے اور صرصر کا ہر اک جھونکا

تسکین سے خالی ہے دنیا کا ہر اک منظر
لمسِ بدنِ نازک، شبنم، گُلِ تر، رعنا

محبوب کی چاہت سے، قربت کی تمنا سے
اور آتشِ الفت سے اب خالی ہے دل اپنا

معلوم ہوئی ہم کو اب حسن کی سچائی
ہر رخ پہ نظر آتا پردہ ہے بناوٹ کا

احساس سے خالی دل، آنکھیں بھی ہوئیں پتھر
اب دنیا میں کچھ ہم کو اچھا ہی نہیں لگتا

02 مئی 2020ء

پانی

اوس کی شکل میں پھول پر جلوہ زن
اس کے دم سے ہی مہکے ہیں سارے چمن

برف کی شکل میں کوہ پر ہے جما
مارتا ٹھاٹھیں دریا میں ہے چل رہا

جھیل چشمے ندی آبشار اس سے ہے
پھولوں کلیوں میں خندہ بہار اس سے ہے

بن کے بادل ہے کرتا فضا کا سفر
ہے اٹھاتا سمندر میں یہ ہی بھنور

ہے برستا یہ برسات میں رات دن
اشک بن کر یہ پلکوں سے جاتا ہے چھن

ہیں لہکتی اسی سے ہی ہریالیاں
ہیں شگفتہ اسی سے ہی سب ڈالیاں

ساری جھیلوں میں لہریں اٹھاتا ہے یہ
ساری دنیا کی نہریں چلاتا ہے یہ

کشتیاں اور سفینے ہیں اس پر رواں
اس کی گہرائی میں رہتی ہیں مچھلیاں

ہے خدا کی یہ دنیا میں نعمت بڑی
زندگی کی عمارت ہے اس پر کھڑی

یہ اگر نہ ہو، دنیا میں کچھ بھی نہ ہو
ایک قطرہ بھی مت پانی ضائع کرو

22 فروری 2020ء

تمنائے نامعلوم

مرا دل بھی ہے عجب سا، ہے اسے کوئی تمنا
ہے مگر تمنا کیسی مجھے بھی نہیں بتاتا

نہ وہ پانے کی ہے خواہش نہ ہی کھونے کی طلب ہے
نہ ہے جاگنے کی خواہش نہ ہی سونے کی طلب ہے

نہ ہی قرب کی خوشی ہے نہ بعید ہونے کا غم
نہ خوشی پہ مسکراہٹ نہ الم پہ کوئی ماتم

نہ طلب حیات کی ہے نہ طلب ممات کی ہے
خوشی جو بھی ہو وہ مہماں فقط ایک رات کی ہے

نہ کہے ہے بات اپنی نہ سنے ہے خود کسی کی
ولے منتظر ہے لگتا کہ مٹیں نشانِ ہستی

دو خبر حیات میری کھو چکی مٹھاس کیوں ہے؟
کوئی مجھ کو یہ بتائے مرا دل اداس کیوں ہے؟

14 جنوری 2021ء

پرائی زندگی

وہ اپنی مرضی سے جیتے ہیں اور نہ مرتے ہیں
کہ جن کے کام میں مصروف دن گزرتے ہیں

ہے رہتی نغمگی سانسوں میں اور نہ حسنِ خیال
کہ غرق ہوتا ہے افکار میں ہی ذوقِ جمال

برا نصیب: بنا یہ یقین لیتی ہے
حیات ہم سے تبسم بھی چھین لیتی ہے

کہ جیسے راستے منزل گنوائے ہوتے ہیں
ہماری زیست کے لمحے پرائے ہوتے ہیں

ہم اپنے وقت سے بالکل الجھ نہیں سکتے
سمجھنا چاہتے ہیں پر سمجھ نہیں سکتے

ہمارے ذوق کو جب حوریاں ستاتی ہیں
ہمیں حیات کی مجبوریاں ستاتی ہیں

ہمارے کام جب افکار نوچ لیتے ہیں
ہم اور وقت نکالیں گے، سوچ لیتے ہیں

ہے وقت اپنے لیے ہم کو تھوڑا تب ملتا
ہمارا ذہن ہے جب ہوتا خود تھکا ماندہ

تھکا ہوا ہو تو حد سے گزر نہیں سکتا
قلیل وقت میں وہ کچھ بھی کر نہیں سکتا

خیال وقت کی بے مائگی کو روتا ہے
گزرتا وقت تخیل کی موت ہوتا ہے

قدیم راہ سے واپس پلٹ نہیں پاتا
کوئی بھی پچھلی روایت الٹ نہیں پاتا

بس ایسے فن کے تباہی قریب ہوتی ہے
پرائی زندگی سب کو نصیب ہوتی ہے

25 دسمبر 2021ء

پھول اور کلی

اک پھول ہے چمن میں تو دوسری کلی ہے
دیتی سبق و لیکن دونوں کی زندگی ہے

وہ جو کلی ہے اُس کو کوئی بھی ڈر نہیں ہے
پڑتی کسی کی اُس پر میلی نظر نہیں ہے

لوگوں کے توڑنے سے رہتی ہے وہ سلامت
کلیوں کی کوئی چوری کرتا نہیں ہے نکہت

محفوظ ہے سبھی وہ لوگوں سے باغباں سے
جو پھول ہے گزرتا کس کس سے امتحاں سے

گل کو تو دیکھو دامن اُس کا نہیں سلامت
رنگت ہے شوخ جس کی، پھیلی ہے جس کی نکہت

لیکن سلوک اِس سے سب لوگ کیا کریں گے
کچھ دیر سونگھ کر بس مٹی میں پھینک دیں گے

تھا جب کھلا تو اِس پر جھپٹی ہیں تتلیاں بھی
افسوس اِس کی آخر بکھریں گی پتیاں بھی

آغاز خوبصورت، انجام گل کا کیا ہے
اپنی لٹا کے خوشبو قدموں میں آ گرا ہے

جب تک حجاب میں تھا تب تک تھا گل سلامت
پردے سے آیا باہر نکہت بنی قیامت

اپنی کرو حفاظت دنیا ہوس بھری ہے
پردے میں جو کلی ہے محفوظ بس وہی ہے

08 فروری 2020ء

پیام

شگفتگیٔ عناصر ہے امتحان ہمیں
کہ دیکھتا ہے ابھی پست آسمان ہمیں

ہماری شمعِ منور کا منتظر ہے جہاں
مٹانا شدتِ ظلمت کا ہے نشان ہمیں

مرے خیال میں یہ ہے بہت ہی ناکافی
ملی ہزار مقاصد کو ایک جان ہمیں

شمیم و شبنمِ گلشن حیات کے ہیں فسوں
ہے آزمائشِ ایام کا بھی گیان ہمیں

تمام عالمِ وحدت ہے کھو گیا جس میں
ہے ڈھونڈنا وہ نشاں اپنے درمیان ہمیں

نہ پتیاں بکھارہ میں گلاب کی اے صبا!
کہ چل کے کانٹوں پہ ہی ہونا ہے جوان ہمیں

محال منزلِ ہستی کو پانے کے لیے ہے
بنانا بکھرے ہجوموں سے کاروان ہمیں

جہاں کو ہوش و خرد میں کبھی بھی کر نہ اسیر
نہیں بنایا گیا مطلق العنان ہمیں

عمیق دنیا میں رہنا نہیں ہمیں شایاں
ہے ہونا گردوں پہ مسلم براجمان ہمیں

ہو دل میں عشقِ محمد ﷺ کی شمع روشن تو
حدودِ طائرِ سدرہ ہیں اک اڑان ہمیں

01 مارچ 2020ء

تضمین بر غزلِ ذوقؔ

یہ نہیں ممکن کہ کانٹوں سے کبھی خوشبو بڑھے
پھر پجاری حسن کے کیوں اے صنم ہر سو بڑھے
ہوش کیسی ؟ جب ترے دیدار کا جادو بڑھے

پہلے تو میں یاد میں تیری نہیں سکتا تھا سو
رفتہ رفتہ میں گیا الفت میں تیری جان کھو
کچھ سمجھ آتا نہیں ہے ، کیا گیا ہے مجھ کو ہو

"خط بڑھا ، کاکل بڑھے ، زلفیں بڑھیں ، گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ، ہندو بڑھے "

"بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی وحشت وگرنہ پہلے تو
ہاتھ کے ناخن بڑھے ، سر کے ہمارے مو بڑھے "

کس قدر پھولوں کی تیرے آنے سے خوشبو بڑھے !
بحرِ استقبال دل بھرتا رم آہو بڑھے !
غم رہے کیا آ گئے تو بن کر اگر دل جو بڑھے !

وہ ترا غصہ بیاں کرنے کو آ جاتے ہیں روز
اور بیاں کر کے وہ عالم مجھ کو تڑپاتے ہیں روز
کیا سمجھ آتا نہیں ، کیوں تم کو بلواتے ہیں روز ؟

"تیرے جلوے سے چمن کی رونق ، اے گل رو ! بڑھے
شاخِ گل بن میں بڑھے ، گل گل میں رنگ و بو بڑھے "

"واں شرارت سے جو دشمن تجھ کو بھڑکاتے ہیں روز
چاہتے ہیں اور شر اے شوخِ آتش خو بڑھے "

پہلے تو تم یہ بتاؤ تھی جفا کیوں مجھ سے کی ؟
جانتا تھا یوں کرو گے سو لیا ہونٹوں کو سی
تم کو بے بس کر گئی ہے اب تمھاری زندگی

پُر کشش سارے جہاں سے تیری محفل کی فضا
جی میں جو آئے کرو کوئی نہیں یاں روکتا
چھیڑتا آ کر نہیں یاں کچھ غمِ ارض و سما

"بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے جی
اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں ، کچھ تو بڑھے "

"واہ ساقی ! کیا ہی دی ہے راحتِ فرحت فزا
پینے سے اک قطرہ جس کا سیروں میں لوہو بڑھے "

عشق نے سندر چمن کتنے سجائے دشت میں
عشق کی خوشبو سمائی ہے ہوائے دشت میں
ایک دن عشاق اکٹھے ہو کے آئے دشت میں

کیوں دلِ دلدار اے ناصح ! نہیں ہے دردمند
غم سے اب ہونے لگا ہے دل مرا رک رک کے بند
دیکھنا مجھ کو تڑپتا ہے اُسے بے حد پسند

"ہاتھ ملنے کو جو مجنوں سے بڑھائے دشت میں
ضعف سے مدت میں جوں شاخِ سرِ آہو بڑھے "

"یوں دمِ گریہ ہوا دل سے مرے نالہ بلند
جس روش پانی کے باعث سروِ آبِ جو بڑھے "

چاک دامن کس طرح سکتا جوانی کا ہے سِل
در جوانی قربِ محبوب اور ساغر جائے مل
روحِ خلدِ حسن کو ہو جائے یاں سے منتقل

"حسنِ کیفیت سے ہو معمور اگر مینائے دل
پھر تو جامِ جم سے قدر کاسۂ زانو بڑھے"

روتا ہوں میں رات دن لگ لگ کے دیواروں کے ساتھ
کیوں نہیں ہمدردی تم کو اپنے بیماروں کے ساتھ
دل ہنستا لڑتا ہے ہجراں کی تلواروں کے ساتھ

"یاں بڑھے دل کی تپش اور قہر ہے یاروں کے ساتھ
گرمیٔ محفل تری اے شوخِ آتش خو بڑھے"

مکتبِ الفت سے ہم تو ہیں سبق یہ ہی پڑھے
ذکرِ حسن، اے یار! تیرا حوروں پریوں سے چڑھے
زم مثلِ قوسِ گل ہیں تیرے عارض کے گڑھے

"چرخ پر نورِ قمر راتوں گھٹے، راتوں بڑھے
حسن تیرا روز ہی مثلِ ہلالِ ابرو بڑھے"

مجھ کو لگتا ہے کہ تم کو ہے بلا لایا رقیب
میں نہیں اچھا ہوا، تم کہتے ہو تیرا نصیب
منھ نہ میرا دیکھ اور اب کان لا منھ کے قریب

"کچھ تپِ غم کو گھٹا، کیا فائدہ اِس سے طبیب
روز نسخے میں اگر خرقہ گھٹے، کاہو بڑھے"

سنگ دل کی میری جانب، کیوں نہیں اٹھتی نگاہ؟
کیا محبت مجھ سے کرنے کو سمجھتا ہے گناہ؟
چاندنی راتیں ہیں لگتی اُس کے بن مجھ کو سیاہ

"چاہتا ہے دل بڑھے اُلفت کی اُس سے رسم و راہ
پر دہن قابو نہیں کس طرح بے قابو بڑھے"

دردِ فرقت سہہ رہا ہوں میں بڑی مشکل سے ذوقؔ
دور ہوں اِس رنج کے صحرا میں بھی منزل سے ذوقؔ
کرتا ہے دل ہمسری اب تو مہِ کامل سے ذوقؔ

"پیشوائی کو غمِ جاناں کی چشمِ دل سے ذوقؔ
جب بڑھے نالہ تو اس سے پیشتر آنسو بڑھے"

25 جنوری 2020_19 اپریل 2021ء

تمھارے نام

کہوں میں جانِ عالم یا جگر پارا کہوں تم کو؟
تصوّر کے جہاں کا ضوفشاں تارا کہوں تم کو؟
کسی حورِ عدن کا شادماں نغمہ کہوں تم کو؟
کہوں نظارۂ جنت؟ جہاں آرا کہوں تم کو؟

خیالِ حسن کی مہکی ہوئی دنیا کہوں تم کو؟
مرا دل ہے کہ میں ہر طرح سے یکتا کہوں تم کو

کلی تم کو کہوں؟ نکہت کہوں؟ مستی کہوں تم کو؟
فضاؤں تک ہے جو اک سلطنت مہکی کہوں تم کو؟
شرابوں کی ندی جنت میں کیا بہتی کہوں تم کو؟
چہک بلبل کی ہو یا لحنِ داؤدی کہوں تم کو؟

چمکتا دوپہر کی دھوپ میں صحرا کہوں تم کو؟
یا پھر مستی سے بہتا نیلگوں دریا کہوں تم کو؟

کسی عاشق کے دل کی شب کی بے تابی کہوں تم کو؟
محبت میں کسی مہوش کی بے خوابی کہوں تم کو؟
پیاسی سرزمیں پر موجِ سیلابی کہوں تم کو؟
سراپا گلستاں یا نقشِ سیمابی کہوں تم کو؟

خدا کا اس جہاں کے واسطے تحفہ کہوں تم کو؟
یا اپنے دل پہ برسی پیار کی برکھا کہوں تم کو؟

وفا تم کو کہوں؟ برسات کا بادل کہوں تم کو؟
جہاں کو پل میں بہکاتی صبا، چنچل کہوں تم کو؟
دیارِ پرسکوں میں اٹھتی اک ہلچل کہوں تم کو؟
کسی کی چشمِ مے گوں کا نشہ، کاجل کہوں تم کو؟

حقیقت حسن کی کہہ دوں؟ نہیں سپنا کہوں تم کو؟
زمانے کے بھی ہو یا میں فقط اپنا کہوں تم کو؟

مرے دردِ کہن کا خوب اک درماں کہوں تم کو؟
سراپا عشق میں ڈوبا ہوا انساں کہوں تم کو؟
دلِ بے تاب کا دیرینہ اک ارماں کہوں تم کو؟
میں اپنا دل کہوں؟ الفت کہوں؟ یا جاں کہوں تم کو؟

رخِ الفت پہ لہراتا ہوا پردہ کہوں تم کو؟
حقیقی عشق سے قائم ہوا رشتہ کہوں تم کو؟

کنول تم کو کہوں؟ بہتی ہوئی ندیاں کہوں تم کو؟
گلستانِ وفا کا اک گلِ خنداں کہوں تم کو؟
سکوں دیتی جگر کو بادِ کہساراں کہوں تم کو؟
مکیں میں اپنے دل کا یا فقط مہماں کہوں تم کو؟

غرورِ دل کہوں یا حسنِ بے پروا کہوں تم کو؟
کہوں اک محفلِ انجم یا پھر تنہا کہوں تم کو؟

کہوں میں حوضِ کوثر یا کہ مے خانہ کہوں تم کو؟
ہو تم اک شمعِ محفل یا کہ پروانہ کہوں تم کو؟
شبِ ہجراں کی اک روشن چراغانہ کہوں تم کو؟
مگن اپنے ہی من میں، سب سے بے گانہ کہوں تم کو؟

یا پھر مجموعہ سب وصفوں کا کاشانہ کہوں تم کو؟
تمھیں یہ مجھ سے کہہ دو نا میں آخر کیا کہوں تم کو

08 دسمبر 2019ء

تھکن

جسم ٹوٹا ہے کہ شیشے کے شکستہ پارے
آنکھ میں نیند کی جھلمل سے نشہ طاری ہے
روح اس طرح تھکی ہے کہ خرد بوجھل ہے
آنکھیں یوں بند ہیں کہ جاگنا بھی بھاری ہے

رہ کے مصروف سدا کام میں مضطر ذرے
ہیں مری ذات کے بے تاب بکھر جانے کو
میں کہ مجبور ہوں، کچھ فرض ادا کرنے ہیں
کیا تکلف کہیں کم ہیں ہمیں تڑپانے کو؟

جاگ کر عمر بھر اک خواب کی صورت جیون
ہے گزارا میں نے اب کوئی ستائے نہ مجھے
اب مری روح کو صدیوں کے لیے سونا ہے
جب میں سو جاؤں تو کوئی بھی جگائے نہ مجھے

08 دسمبر 2021ء

جارج فلوئڈ

رنگ و نسب میں رکھا ہے گر کچھ تو اشتعال
کب تک بہے گا خوں بنا پہ اِن کی بے دریغ
نفرت مٹے گی آدمی سے آدمی کی کب
کس دن جہاں میں خوں سے نہ آلودہ ہوگی تیغ

کالے سفید لوگ برابر ہیں، شک نہیں
اِس میں نہیں دروغ و تصنُّع کا شائبہ
جس دن نہ اِس جہان میں اِس کے خلاف ہو
لگتا نہیں کہ دن کوئی ایسا بھی آئے گا

لیکن تمھاری موت نے ثابت یہ کر دیا
دنیا تہی نہیں ابھی احساس سے ہوئی
جب جب بہے گا جارج فلوئڈ کا خوں کہیں
تب تب بڑھے پھلے گا گلستانِ زندگی

01 جون 2020ء

جناح ہاسٹل

یہ چوکور خطہ یہ تاریک کمرے
مجھے آج کیوں دل ربا لگ رہے ہیں؟
بہت پر کشش لگ رہی ہیں فصیلیں
یہ پودے مجھے آشنا لگ رہے ہیں

خیالوں و خوابوں میں کرنا سیارت
ہے خلوت نشینی کی عادت پرانی
وہی جسمِ بے حس کی آرام طلبی
گزر ہے رہی لطف سے زندگانی

مناظر درختوں و پودوں کے دلکش
یہ انگریزوں کے دور کے میٹھے جامن
سفیدوں کے رستے سے مربوط مسجد
کھلے میداں کھیلوں کے مخصوص کردن

یاں اخبار ہے منتظر : کوئی پڑھ لے
کوئی بیٹھے : واں منتظر ہے کیاری
یہ چوکور صنعت کے تاریک کمرے
ہوا بام کی ٹھنڈی اور پیاری پیاری

یہ آزاد ماحول، فرصت، لوازم
سرِ شام ہر روز یاروں کی محفل
کتب پر کوئی سر جھکائے ہوئے ہے
تو کوئی ادھر کھیل میں اب ہے شاغل

قیام اپنا گرچہ یہاں عارضی ہے
نئی طرز کا تجربہ لے رہے ہیں
ہم اپنی منازل فراموش کر کے
بہت زندگی کا مزہ لے رہے ہیں

10 جولائی 2021ء

جنت کا راستہ

مرے ذہن میں کندہ ہے اُس کا نقشہ
بتاتا ہوں میں تم کو جنت کا رستہ

اسی راستے پر جو جاؤ گے سیدھے
بڑے مدرسے میں ہیں لمبے سفیدے

وہاں سے ذرا داہنی سمت جانا
ہے اوقاف کا واں پہ دفتر پرانا

وہاں مڑنا پھر داہنی سمت اک بار
وہاں پر ہے بابا مبارک کا دربار

واں جانا ہے بائیں سڑک کے کنارے
فلاحی سکیموں کے واں ہیں ادارے

پہنچنے ہی والے ہو تم واں پہ ماجد
ذرا آگے ہے زیرِ تعمیر مسجد

مقابل جو مسجد کے نیلا سا در ہے
مرے علم میں وہ ہی جنت کا گھر ہے

25 ستمبر 2021ء

جھیل کا منظر

سبز وادی میں بہاروں کی رواں سر مستیاں
ہیں بسی جن میں ہوئی جنت کے جیسی بستیاں

کھاتے بل آتے ہیں جھرنے نیلگوں پانی کے ساتھ
دیکھتے ہیں جس کو طائر طرفہ حیرانی کے ساتھ

سامنے گرتی ہوئی مست آبشاروں کی جھلک
شبنم و گل کو بھی ہے شرما رہی جس کی چمک

اور دھنک کے ساتھ اُن فطری نظاروں کا سماں
جو کہ ہیں حسنِ زمیں کا ایک بحرِ بے کراں

ریتلی جھیل اور وہ مستی میں ڈوبی آپ شار
جس پہ سائے کو فدا ہے کر رہا ابرِ بہار

ساتھ ساحل کے اگی اُس آبی نرگس کی قطار
اور پون کی جس کو لہریں چھیڑتی ہیں بار بار

دوپہر کی دھوپ سے رنگ آب کا چمکا ہوا
سلسلہ موجوں کا تا حدِ نظر اٹھتا ہوا

لہر اٹھا کر دیکھتی رنگیں نظارے اپنے سر
ایسا لگتا ہے ہوئی جنت میں جیسے ہو سحر

حسن ساحل کا بڑھاتے بن کے نیلوفر چمن
اور روشن جیسے تاروں سے چمکتا ہو گگن

جامنی پھولوں میں سبزے کی بہاریں بے شمار
اور اڑاتی بادلوں کو سر پہ پھرتی ہے بہار

جھیل میں کچھ لوگ بھی اترے ہیں لے کر کشتیاں
دیکھنے جاتے ہیں پانی میں سنہری مچھلیاں

جھیل کے مشرق کی جانب وہ کھجوروں کی قطار
آسماں ہے کر رہا عقدِ ثریا کو نثار

نیلی لہریں، صاف پانی اور وہ نرگس کے پھول
کر رہے ہیں آسماں کے جو سلاموں کو قبول

ساحلِ پر ریگ پر پھرتے وہ آوارہ بٹیر
یکساں اڑتے ہیں سمے ہو شام کا یا ہو سویر

پھرتی ہیں مرغابیاں واں پر قطار اندر قطار
جن کی ہے تعداد کا لاکھوں ہزاروں میں شمار

بہتی اُن لہروں پہ ہندوستانی بطخوں کا سفر
بھیگتے محوِ شرارت آبی سرخابوں کے پر

کرتے ہیں سیراب دل کو حوضِ کوثر کی طرح
ہیں چمکتے یہ دلِ انساں میں اختر کی طرح

ایسے نظارے ہوں، عمرِ خضر اور دل ہو جواں
اور کھو جانے کا گزرے دل پہ نہ ہر گز گماں

دیکھنا پھر کیسی ہے دل جان پرور زندگی
ہے بڑی خوشیوں بھری مسکان پرور زندگی

10 دسمبر 2019ء

چاندنی

چاندنی کی لمس بھی کیا پرسکوں احساس ہے
جو کہ میرے پاس ہے

مسکراتی چاندنی دلکش نظاروں کی ہے عید
زندگانی کی نوید

نشہ سا طاری ہے کرتی دل کو یہ دے کر سرور
پاس جیسے آئے حور

بہتا پانی اور اندھیرے میں رقصاں چاندنی
خود پہ نازاں چاندنی

چاندنی جس میں ستارے ہو گئے مشعل دیے
منہ چھپا کر چل دیے

آسماں پر چاند لے کر آیا ہے دلکش بہار
حوروں پریوں سا نکھار

جس طرف دیکھو سما پر روشنی کا رقص ہے
دلکشی کا رقص ہے

ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں سہلاتی ہیں ہم کو اس طرح
ہو محبت جس طرح

دنیا کو مہکا رہی ہے مہکی مہکی چاندنی
بہکی بہکی چاندنی

چاندنی ہے تمکنت سے چار سو جلوہ نما
دیکھو تو ناز و ادا

حسن رقصاں ہر طرف اور اُس پہ عاشق کی نظر
الامان والحذر

کس خوشی سے دیکھتی ہے چاند کو پیاری چکور
پیار کی ماری چکور

اب زمیں سے آسماں تک چاندنی کا راج ہے
روشنی کا راج ہے

کتنا اچھا لگ رہا ہے چاندنی کا ابتسام
پھول کرتے ہیں سلام

لہلہا اُٹھتے ہیں پودے اور پاتے ہیں خوشی
کر کے رقص زندگی

چاندنی دل میں جگا دیتی ہے کیسی چاہتیں
خواہشیں ہی خواہشیں

چاند کی کرنوں کی لگتی لمس ہے کتنی حسیں
جیسے اک زہرہ جبیں

آپ ہی خلوت میں آئے اور نہ ہو پردہ نشیں
دل نہ کہہ پائے نہیں

چاند کی کرنوں کو دل کے راز بھی معلوم ہیں
اس قدر معصوم ہیں!

چاہتا ہے دل رہے یہ چاندنی یوں ہی جواں
اور رک جائے سماں

کون بھولے گا بھلا ایسی حسینہ کا وجود
محفل رقص و سرود

30 مئی 2020ء

چودھویں صدی میں

گرچہ کافی دل نشیں ہے میٹھے لبوں کی نزاکت
اختصارِ گفتگو، عارض پہ غازے کی تمازت
اِس لیے سکتے نہیں کر آپ بھی اپنی حفاظت
بزمِ ہستی سوز سے آزاد کرنا ہی پڑے گی
تم کو اپنی زندگی برباد کرنا ہی پڑے گی

ارتعاشِ سوچ سے اک کھلبلی سی مچ گئی ہے
کوئی جس کو مانتا ہے اُس کی خاطر سچ وہی ہے
اب عروج ظلم سے ہے، بجھ رہی شمعِ ہدایت
یاں طبیعت مائلِ الحاد کرنا ہی پڑے گی
تم کو اپنی زندگی برباد کرنا ہی پڑے گی

بس غلامانہ تبسّم سے ہنسو گے نیچ ہو کر
نہ مسلماں اور نہ کافر: کیا رہو گے بیچ ہو کر؟
کیسے تہذیبوں میں اُلجھی نرم جذبوں کی نزاکت
پیروی اُن کی تمھیں ناشاد کرنا ہی پڑے گی
تم کو اپنی زندگی برباد کرنا ہی پڑے گی

دل کہ بس یک رنگیٔ تحریر سے اُکتا چکا ہے
پھول ادب کا جس سے ہو تسکینِ دل مرجھا چکا ہے
کھل اٹھیں پژمردہ دل انداز میں ہو ایسی جدت
اک نئی طرزِ سخن ایجاد کرنا ہی پڑے گی
تم کو اپنی زندگی برباد کرنا ہی پڑے گی

27 اپریل 2020ء

چیرامی

فرانس میں پھنسے جنگِ عظیم اول میں
تھے ساڑھے پانچ سو برطانیہ کے فوجی جب
کہاں تھے وہ، نہیں اپنی بھی فوج جانتی تھی
کہ حملے کر رہے اُن پر تھے ملک سب کے سب

مرے پرندے دو قاصد، تھی باقی چیرامی
ملی تھی جو اُنہیں امریکیوں سے تحفے میں
تھا جنرل اُن کا وہاں چارلس وائٹ وٹلیزی
کہ باندھا جس نے تھا خط چیرامی کے پنجے میں

"ہمیں بچاؤ، ہمیں مارتی ہے فوج اپنی"
وہ جب اڑی تو لیا جرمنوں نے دیکھ اُسے
اسے بھی مارنا چاہا پہ بچ گئی گر کر
پر ایک آنکھ اور اک ٹانگ لے لی حملے نے

مگر وہ پھر اڑی پچیس میل مرکز تک
منٹ فقط لگے پچیس اُس کو جانے میں
بچا لیے گئے اک سو چرانوے فوجی
ہے چیرامی سے بہادر کوئی زمانے میں؟

02-03 مارچ 2022ء

چیرامی: ایک کبوتری جس نے 03 اکتوبر 1918ء کو پیغام پہنچا کر 194 فوجیوں کی جان بچائی۔

خواہشیں

اے کاش! ایسا ہوتا شہنشاہ میں اِس زمانے کا ہوتا
مری سلطنت کی زمیں ساری ہی سونے چاندی کی ہوتی
بچھا جاتی ہر سمت بادِ صبا آ کے فرشِ زمرد
مری سلطنت میں کبھی دھوپ سے چاندنی کم نہ ہوتی

جہاں تک نظر جاتی آنکھوں کے آگے فقط گل ہی ہوتے
پگھلتی ہوئی چاندیوں کی ہی بالکل بنی ہوتی شبنم
مری سلطنت میں کسی کے بھی دل میں کوئی غم نہ ہوتا
فقط ہوتا ہر سمت بادِ بہاراں میں خوشیوں کا عالم

روانی سمندر کے پانی کی ہوتی مری دسترس میں
اشارے سے میں آسماں کے سبھی توڑ سکتا ستارے
مری ہی اجازت سے دنیا جہاں بھر کے موسم بدلتے
مرے کہنے پر سرخ نیلے یہ ہوتے سما کے کنارے

محل میرا دنیا کے سولہ گنا سے ذرا کم نہ ہوتا
اور اُس کے بھی چوتھائی حصے میں میرا پرستان ہوتا
چراغوں کی جا پہ میں اپنے محل میں سجاتا ستارے
مرے اپنے پر ہوتے، اڑتا، میں اک ایسا انسان ہوتا

خزانے جہاں بھر کے سارے مری بند مٹھی میں ہوتے
سنائی سبھی کو فضاؤں میں دیتے مسرّت کے نغمے
لٹانے سے میرے خزانے کسی کو کبھی کم نہ ہوتے۔۔۔
مگر خواہشیں خواہشیں ہیں، حقیقت میں ایسا نہیں ہے

14 مارچ 2020ء

حیا مرحومہ کے مزار پر

راہِ تہذیب میں تھا ایک مزار
پاک دامن تھی دفن واں گم نام

فاتحہ کے لیے ہوا حاضر
اور کہا "اے دفینہ! تجھ پہ سلام!"

آئی آواز قبر میں سے مجھے
"رہ سلامت! حیا ہے میرا نام

نئی تہذیب کی فضاؤں میں
ہو گیا سانس لینا مجھ پہ حرام

یہ زمانہ ہے بے حیائی کا
میں تھی جس جس میں ہو گیا بدنام

دخترانِ حرم کی نظروں میں
نام بھی میرا ہو گیا دشنام

ایسی دنیا سے مجھ کو کیا مطلب
جس میں عورت ہو بن گئی مادام

بن مرے یہ جہاں جہنم ہے
بن مرے یہ جہاں ہے مرضِ جذام

میں نہیں جس میں جو کرے چاہے
سب کو دے دینا یہ مرا پیغام

میں ہوں ایمان کا ضروری جزو
میں نہیں جس میں ہو گیا ناکام"

28 دسمبر 2019ء

خرطوم

ساحلِ نیل پہ ڈوبے ہوئے سورج کا سماں
شہرِ خرطوم، شفق اور وہ اٹھتی لہریں

پرسکوں وشتِ صحارا کے وہ دامن میں نگر
شام کا وقت، وہ خاموشیاں، وہ چرخِ کہن

قمقموں سے وہ سجی گلیاں ستاروں کی طرح
گھونسلوں کو وہ پرندوں کی قطاریں جاتیں

کوسوں تک پھیلی ہوئی خشک سی، بے آب جگہ
سر پٹختی ہوئی اُس گہری خموشی کا ستم

جس کا ہر ذرہ شہیدوں کے خوں سے ہے لت پت
مرتعش کشتیاں دریا کی روانی میں کھڑیں

جھلملاتے ہوئے مدھم سے چراغوں کی چمک
منعکس روشنی، لہروں کی روانی کی جھلک

دائرے ساحلوں سے ہاتھ ملانے جاتے
چاند تاروں کی سلامی میں وہ روشن صحرا

سرخ مٹتے ہوئے جو نقش شفق پر ہیں عیاں
اور ہواؤں سے وہ لڑتی ہوئی روشن شمعیں

نیل کی طرح غم و درد میں ڈوبی سرگم
اور افریقہ کی جلتی ہوئی شمعیں بھی مجھے

کسی اٹھتے ہوئے طوفاں کی خبر دیتی ہیں
ایک ابھرتے ہوئے سوڈاں کی خبر دیتی ہیں

09 دسمبر 2019ء

خرطوم: نیل کے ساحل پہ واقع سوڈان کا خوبصورت
دارالحکومت

خسرو

اردو شعراء سے مجھے تھوڑی تھی شکایت
فرہاد میں ڈوبے گئے خسرو کی وفا بھول
نوشیرواں نے خواب میں خسرو سے کہا تھا
ساسان ترا ملک ہے، شیریں ہے ترا پھول

کس کے لیے خسرو نے کیا فتح علاقہ؟
بہرام کی جو موت پہ ہرمز نے لیا چھین
قیصر کی مدد کے لیے مریم سے کی شادی
تاریخ کا ہر بادشہ عورت کا تھا شوقین

جنگیں لڑی خسرو نے تھیں شیریں کی ہی خاطر
خسرو کو ملی فتح تو پیچھے پڑا فرہاد
ہے یاد سبھی کو یہاں فرہاد کی محبت
خسرو کی تکالیف کسی کو بھی نہیں یاد

مریم کو تھا شیریں نے ہی خود زہر پلایا
برداشت نہیں خسرو کی تھی غیر سے مخل
خسرو مرا تو ساتھ اُسی کے مری شیریں
خسرو کی محبت میں بنی اپنی بھی قاتل

ہے آج تلک خسرو و شیریں کا مزار ایک
خسرو کی محبت کو نہ ایسے کرو برباد
سوچو ذرا ساسان کا ہوتا جو شہنشاہ
کرتا عطا شیریں کبھی خسرو کو بھی فرہاد؟

09 فروری 2020ء

ایک رات کی مہمان

ایک شب شادی سے پہلے کوئی مضطر لڑکی
سوچتی تھی یہاں اک رات کی مہمان ہوں میں
اِسی گھر میں میں نے پل کر ہے جوانی پائی
آج لگتا ہے کہ اس گھر سے ہی انجان ہوں میں

زندہ ہوتی جو مری ماں تو میں کہتی اُس سے
دیکھ سارے مجھے انجان بناتے ہیں ماں
رہنے مجھ کو نہیں دیتے یہ ترے آنگن میں
دور کے دیس کی اب راہ دکھاتے ہیں ماں

چاند جیسے مرے ابا کبھی یہ کہتے تھے
سب سے بڑھ کر اسی بیٹی سے محبت ہے مجھے
اِس کی خوشیاں ہیں مقدم مری خاطر سب سے
میری پیاری سی یہ گڑیا بڑی دولت ہے مجھے

قمقمے جل رہے ہیں ساتھ ہی دل بھی میرا
دیکھ کر ابا چرا لیتے ہیں اپنی آنکھیں
رونا دیکھا نہیں جاتا تھا کبھی جن سے مرا
دیکھتے بھی نہیں اشکوں بھری میری آنکھیں

کھیلتی تھیں اِسی آنگن میں سبھی ہم مل کر
نقش مہندی کے جو ہاتھوں پہ بنا کر ہیں گئی
کل تلک ساتھ مرے بیٹھ کے ہنستی تھیں سبھی
جو شرارت سے مجھے آج رلا کر ہیں گئی

جس کی چھت کے تلے سوئی ہوں میں انیس برس
وہی کمرہ مجھے انجان نظر آتا ہے
گرچہ ابا بھی ہیں، بھائی بھی، چراغاں بھی مگر
آج آنگن مجھے سنسان نظر آتا ہے

میرے بھائی کہ جو جاں سے بھی مجھے پیارے ہیں
خوش بھی اور غم زدہ بھی آج نظر آتے ہیں
کیسی انجان سی نظروں سے مجھے دیکھتے ہیں
اِک عجب نقش جبیں پر ہے، گزر جاتے ہیں

فرض میرا ادا والد مرے کل کر دیں گے
بیٹی سے بیوی کی دنیا میں میں کھو جاؤں گی
میں ہوں اک بوجھ، اتر جائے گا جو کل سر سے
آج ان کی ہوں تو کل غیر کی ہو جاؤں گی

22 جنوری 2020ء

دارالحرب

یہ جہانِ فسق و فجور ہے، یہاں بولہب بھی ولی بنے
یاں یزیدیوں کی ہے سلطنت یہاں کانے جھوٹے نبی بنے

ہیں گنہ کی دعوتیں ہر طرف یاں بہت ہی ارزاں شباب ہے
فقط ایک دعوتِ دید ہے یہ جو رخ پہ ڈالا نقاب ہے

یہاں وہ ہی باغی کہا گیا جو ہدایتوں کی امید تھا
یہاں اُتنا پاک کہا گیا کوئی شخص جتنا پلید تھا

یہاں کافروں کے خطاب ہیں، یہاں بولہب بھی حضور ہیں
یاں امامِ دیں سے ہیں بھاگتے، یاں عوام دین سے دور ہیں

ولد الزنا کی امان میں یاں حلال کشفِ حجاب ہے
یہاں کفر سب سے ہے معتبر یہاں دین کی کیا مجال ہے

دیا ساتھ کفر کا جس نے یاں وہ ہے نیک بھی وہ ہے پاک بھی
دیا ساتھ جس نے نہ کفر کا ہے گریباں اُس کا ہی چاک بھی

یاں حکومتیں بھی ہیں کفر کی، یہاں دین ایک مذاق ہے
یہاں محترم وہی شخص ہے کہ جو کفر کرنے میں طاق ہے

یہاں کافروں کے اصول ہیں، یہاں سود کھانا روا بھی ہے
جو جھکے نہ کفر کا سامنے اُسی کے لیے یاں سزا بھی ہے

نہیں غیرتیں بچیں نام کو، یہاں مرد سے ہوئی زن بری
سبھی کفر سے ہیں ملے ہوئے، ہے حرام کردہ جہاد بھی

یہاں جو نظام ہے علم کا، ہے تیار کردہ غیار کا
وہ مرتب ایسے کیا گیا اُنھیں کام دے جو شکار کا

یہاں نوجوانوں کے جوش کو ہے دبایا جاتا فریب سے
وہ فریب ایسا کہ دھوکے سے کوئی شخص بھی نہ نکل سکے

نہیں باقی اب وہ ہدایتیں جنھیں سن کے راہِ ہدیٰ ملے
کوئی مجھ کو مردِ خدا ملے کہ جو سیدھی راہ دکھا سکے

یہ جہاں متاعِ قلیل ہے یہاں رہنا مثلِ حمیم ہے
یہاں کوئی ہادی نہیں مرا مرے آگے سوزِ جحیم ہے

24 دسمبر 2019ء

درسِ عصمت

صنفِ نازک! میں تجھے زہرہ جبیں مانتا ہوں
رسمِ پردہ کو ترے تن کا امیں مانتا ہوں
بے حجابی میں نہیں لگتی حسیں، مانتا ہوں

پردہ چہرے کا ترے زہرہ جبیں چاک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

تو کہ صد رنگ تھی، ہستی کی بہاریں تجھ سے
باغِ عالم میں ہیں پھولوں کی قطاریں تجھ سے
حیف! چھوٹیں تری عصمت کی حصاریں تجھ سے

حیف! تجھ کو نہیں اپنا کبھی ادراک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

ہوتی تو جا رہی ہے ان دنوں آزاد بہت
ہیں تری تاک میں بیٹھے ہوئے صیاد بہت
شرم آنکھوں سے ترے مٹ گئی، فریاد بہت

وہ ہی برباد ہوا جو کہ یاں بے باک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

تو ہے عورت، ترا کردار نہیں مردوں سا
تیرا بار اور ہے، وہ بار نہیں مردوں سا
زیبا ہوتا ترا اظہار نہیں مردوں سا

یہ ہی ہے حکم جو رائج سرِ افلاک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

تو کہ تقدیس کے پھولوں کی لڑی کی تھی کلی
تو نے خواہش چنی، پاکیزگی کی دے دی بلی
ہے تری اصل جگہ گھر، نہ کہ شہروں کی گلی

تیرا دامن بھی غلط سوچ سے ناپاک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

تو ہے عورت، تجھے کیا کام ہے بے پردگی سے
جو اندھیرے کو بڑھا دے تو بچ اُس روشنی سے
ہے تجھے حکم کہ رکھے قدم آہستگی سے

تیرا تو حال حقیقت میں ہے نمناک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

نئی تہذیب کی یہ روشنی اندھیرا ہے
حفظِ عصمت کی مخالف ہوئی سب دنیا ہے
یہ ہے سازش، ترا بچنا ہی بہت اچھا ہے

حیف! دشمن وہ یہودی بڑا چالاک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

ہے تمھیں حکم یہ قرآن کا، تم گھر میں رہو
ہے یہی فیصلہ رحمان کا، تم گھر میں رہو
مت کھلونا بنو شیطان کا، تم گھر میں رہو

عاقبت سنورے گی گر تجھ کو یہ ادراک ہوا
ایک نغمہ تھا ترا جسمِ حسیں، خاک ہوا

12 نومبر 2019ء

دل ہی تو ہے

آج بھول کر خواہشیں سبھی
چاہتا ہوں دل کر دوں اجنبی

رشتہ بیچ میں کچھ نہ اب رہے
میں نہ کچھ سنوں یہ جو بھی کہے

سوچتا ہوں پھر دل کو چھوڑ کر
میں بنا سکا کس کو ہم سفر

میں جہاں گیا ساتھ یہ گیا
جانتا ہے سب میں نے جو کیا

پیار جب کیا اس نے ہی کیا
اور بچھڑا جب خود سہی سزا

وجہ سے مری کب یہ خوش رہا
جو بھی غم ملا اس نے ہی سہا

حال پر مرے اس کی ہے نظر
سب ارادوں کی اس کو ہے خبر

دل ہی ہے بڑا میرا رازداں
میں ہوں خاک تو دل ہے آسماں

ایک دل ہی ہے دنیا میں مرا
آشنا کو میں کیسے دوں بھلا

خود سے دل کو گر کر دوں میں جدا
چہرہ دیکھے گی موت ہی مرا

13 اپریل 2020ء

دہشت گردی

دشمنی کس کی ہے کس سے ہے مجھے معلوم نہیں
میں تو اس ملک کا بس عام سا اک شہری ہوں
امن میں چاہتا ہوں اور حفاظت سب کی
ظلم اور جبر کسی کا نہ کسی پر دیکھوں

چھوڑ کر جائے کوئی چاہنے والے گھر میں
ہو یقیں اُس کو کہ واپس ملیں گے اُس کو ضرور
لوگ اِکٹھے ہوں کسی میلے کسی محفل میں
خطرہ اُن کے لیے بن جائیں نہ غیروں کی نفور

امن ہی امن ہو اور پیار ہو بس پیار جہاں
دوست ہی دوست ہوں کوئی نہ ہو دشمن کسی کا
جان کو مال کو عزت کو نہ خطرہ ہو جہاں
چاہتا ہوں ملے رہنے کو اک ایسی دنیا

گھر سے میں جب کہیں جاتا ہوں تو یہ سوچتا ہوں
لوٹ کر آؤں گا میں یا نہیں، معلوم نہیں
لاش میری بھی ہو سکتا ہے ملے قسمت سے
کہاں ذرّوں میں بکھر جاؤں گا، معلوم نہیں

دشمنی کس کی ہے کس سے ہے مجھے معلوم نہیں
میں تو اس ملک کا بس عام سا اک شہری ہوں

13 جون 2020ء

رات کا سفر

پرسکوں ساعتیں پرسکوں رہ گزر
روشنی کم ہوئی، ہے بس اتنی خبر
نیند آنکھوں میں ہے، دور اب بھی ہیں گھر

کیف پرور سماں ہے تا حدِ نظر
پرسکوں کس قدر رات کا ہے سفر

تارے جیسے دلہن کی ردا ہو سجی
چھائی ہر سمت ہے خامشی خامشی
جس میں ہے گا رہی اک غزل چاندنی

دل بھی ہے چاہتا وقت جائے ٹھہر
پرسکوں کس قدر رات کا ہے سفر

ہم مسافر اندھیرے میں ہیں چل رہے
قمقمے برق کے ہر طرف جل رہے
بیت لمحوں میں جس طرح ہوں پل رہے

ہوٹلوں میں رہی عمر جیسے بسر
پرسکوں کس قدر رات کا ہے سفر

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، مہکی مہکی فضا
چھا چکی ہے جہاں میں قمر کی ضیا
منزلوں سے ہمیں آ رہی ہے صدا

راستوں میں مہک بن کے جاؤ بکھر
پرسکوں کس قدر رات کا ہے سفر

آسماں پر ستارے زمیں پر دیے
سحر میں اپنے اس طرح ہم کو لیے
ہوں شرابی نے جیسے سمندر پیے

کر رہا ہے سماں دل پہ کیسا اثر
پرسکوں کس قدر رات کا ہے سفر

کتنی روشن ہے اب آسماں کی جبیں
روشنی ہے مدھم اور سماں ہے حسیں
دل ہے کہتا سفر کٹ نہ جائے کہیں

ہم یوں چلتے رہیں اور نہ آئے سحر
پرسکوں کس قدر رات کا ہے سفر

26 فروری 2020ء

ڈرائیور

تارے چمکتے ہوں یا پھر چھائی ہو دن کی روشنی
اپنے لیے تو مستقل کرنا سفر ہے زندگی

ہر جگہ ہر مقام کو اچھی طرح ہیں جانتے
رکنے کی آرزو کو ہم دل کی نہیں ہیں مانتے

سہل ہے ہم نے آپ کا کتنا سفر بنا دیا
لاکھوں ہزاروں میلوں کا ہم نے سفر ہے طے کیا

کیسے ہیں آپ اور کیوں پوچھتے یہ نہیں ہیں ہم
ہم کو کرایہ چاہیے جو دیں وہ سب ہیں محترم

منزلیں سب ہیں آپ کی پھرتے ہیں ہم بھی در بدر
چلتے ہیں ساتھ آپ کے، آپ کے بن کے ہم سفر

30 ستمبر 2020ء

راہِ اغیار

وقت تھا جب کہ اہلِ مغرب بھی
اہلِ عزت تھے ، اہلِ غیرت تھے
رفتہ رفتہ مٹی حیا دل سے
شرم آنکھوں سے مٹ گئی اُن کے
دور ہوتے گئے وہ مذہب سے
مانتے اب نہیں خدا کو بھی
رہنما وہ ہی ہیں ہمارے بھی
ہم بھی اسلام کو بھلا بیٹھے
راستے جو کیے ہیں طے اُن نے
ہم بھی اب اُن ہی کے مسافر ہیں
اُن کی منزل فقط یہی دنیا
اُن کی جنت فقط یہی عالم
اُن کو کرنا ہے جو وہ کرتے ہیں
اُن کا منشور ہے بس آزادی
جب کہ اسلام دینِ فطرت ہے
ویسی آزادیاں نہیں دیتا
کافروں کے لیے جہنم ہے
اور اُن کے جو پیروکار بنے
دیں سے ہم بدگماں نہ ہو جائیں
جو وہاں ہے یہاں نہ ہو جائے

19 دسمبر 2019ء

روشنی

رنگ کہتے ہیں تو لہروں میں سفر کرتی ہے
ظلمتِ شب ترے ہی دم سے سحر کرتی ہے

رونقیں ساری زمانے میں ترے دم سے ہیں
تو نہ گر ہوتی تو کس کام کی ہوتیں آنکھیں ؟

نظر آتی ہے زمانے کی حقیقت تجھ سے
چاند تاروں کی جبینوں میں ہے طلعت تجھ سے

تو ہے اسلام ، ہدایت ہے ، مَحبت ہے تو
میرے ایماں میں محمد ﷺ کی حقیقت ہے تو

لامکاں اور مکاں تیرے ہی دم سے چمکے
خود کو بھی ہے کہا "نور علی نور" اللہ عزّوجلّ نے

ظلمتِ دہر میں تو رشد و ہدیٰ کا مخزن
چاند ، سورج ، دیے ، مشعل ترے دم سے روشن

سبز سرخ ارغواں نیلا و بنفشی و سفید
تجھ سے ہیں ، تیرگی تجھ سے ہے ہو جاتی ناپید

تجھ سے تخیّل میں لاتا ہے تصوّر رخِ حور
مثل تیری سے کہا رب نے ہے "العلم النور"

قبر میں صاحبِ ایماں کے چلی آئے گی
پھیلنے سے ترے چمکی ہے فضا جنّت کی

تو ملائک ، تو سجاوٹ ، سبَبِ باخبری
کوئی بھی چیز نظر میں نہیں تجھ سے اچھی

20 مارچ 2020ء

زرد پتے ہیں ہم

ہے لگ رہا مون سون کے دن گزر گئے ہیں
ضعیف پتے جو راستوں پر بکھر گئے ہیں

ہوائیں سردی کی بام پر سرسرا رہی ہیں
برہنہ شاخیں نئے فسانے سنا رہی ہیں

ہر ایک پتہ سہانے ماضی کا آئنہ ہے
کسی سے جو کل جڑا ہوا تھا، وہ اب جدا ہے

ہر اک گھڑی چشمے کی ترل رل سی لگ رہی ہے
کہاں ہیں ہم : وقت کے تسلسل کی بے حسی ہے

تمام انسانوں کی یہ ہستی کا ہے تناظر
گزار دیتا ہے ہم کو لمحات کا تواتر

نہیں تھا ان کو گزرتے لمحوں کا سوز پہلے
یہ زرد پتے بھی سبز تھے چند روز پہلے

یہ اہمیت آج اس لیے اپنی کھو چکے ہیں
نہیں کسی کام کے، یہ بے سود ہو چکے ہیں

یہی ہے انساں سمیت ہر چیز کی کہانی
کہ اہمیت تب تلک ہے جب تک کہ ہے جوانی

ہر ایک شے، ہر نفس فقط وقت کا کھلونا
پرانی چیزوں کا کیا ہے انجام؟ ختم ہونا

07اکتوبر 2021ء

زندگی

درد سے دل کسک رہے ہیں سب
حسرتوں سے سسک رہے ہیں لب

دل ترستے ہیں چند خوشیوں کو
لوگ سب ہیں ترستے اپنوں کو

بھول اخلاص کو گئے ہیں سب
بن منافق ہی جی رہے ہیں سب

کوئی چاہت ہے، عشق ہے نہ پیار
کوئی اپنا ہے، دوست ہے نہ یار

خود غرض ہو گیا زمانہ سب
قرض ملتی ہے مسکراہٹ اب

ہم سفر سب بنے لٹیرے ہیں
روشنی مٹ گئی، اندھیرے ہیں

ہو گئے بے حساب جرم و خطا
کھو گئے ماضیوں میں حسن و ادا

حسن باقی نہیں حسینوں میں
سب کے خنجر ہیں آستینوں میں

سانس ہے شعلۂ فنا جیسی
ایک بن جرم کے سزا جیسی

جینا اب خود ہی وجہ نفرت ہے
زندگی کچھ نہیں، مصیبت ہے

10مارچ 2020ء

سحابِ آوارہ

ابر ساون سی ہی پائی ہے طبیعت میں نے
اپنی ہستی کی یہ پائی ہے حقیقت میں نے

بے وطن ہوں، نہیں کوئی بھی ٹھکانہ میرا
شرکتِ غیر سے ہے پاک زمانہ میرا

پستیاں میرے مقدر میں نہیں ہو سکتیں
مستیاں قید مری گھر میں نہیں ہو سکتیں

اچھی لگتی ہے ہواؤں کی سواری مجھ کو
سیر کروا رہی ہے بادِ بہاری مجھ کو

مست رکھتی ہیں سدا نیلگوں ندیاں مجھ کو
ساتھ پھرتی ہیں لیے ہر جگہ پریاں مجھ کو

خوابِ راحت سے مرا سابقہ پڑتا ہی نہیں
قید ہو جانا جگہ میں مجھے آتا ہی نہیں

ساری دنیا کو فقط ایک نظر دیکھتا ہوں
سارے سنسار کو میں ایک ہی گھر دیکھتا ہوں

میرے دم سے ہی ہے ندیوں کی روانی قائم
میں نہیں رکتا ہوں، کیوں؟ میرا سفر ہے دائم

میری آوارگی کو سارا جہاں جانتا ہے
سخت جانی کو مری کوہِ گراں مانتا ہے

ہوں سفر میں، بڑی لمبی ہے مسافت میری
اک سمندر کے ہی جیسی ہے رفاقت میری

شادمانی سدا ہی محوِ سفر رکھتی ہے
حورِ صحرائی سدا مجھ پہ نظر رکھتی ہے

کوئی آوارہ جہاں میں نہیں میرے جیسا
ڈھونڈ لو، کوئی جہاں میں نہیں ثانی میرا

ٹوٹ جانے پہ بھی گرنا نہیں آتا مجھ کو
میری خوشیوں کا ہے احساس ہنساتا مجھ کو

زلفوں کی طرح حسینوں کی بکھر جاتا ہوں
میں ہوں بادل، سبھی کے سر سے گزر جاتا ہوں

01 دسمبر 2019ء

ایک دعا

زیادہ بہت آیا مشکل میں ہے
بہت میرا ہمسایہ مشکل میں ہے
وطن سنگ مل جایا مشکل میں ہے

مصائب کی اس پر ہوئی انتہا
سلامت رہے میرا بھارت سدا

عظیم اک جہاں کی گو طاقت بھی ہے
بہت پاس افرادی قوت بھی ہے
پہ بے روزگاری سے غربت بھی ہے

خدایا ترقی اسے ہو عطا
سلامت رہے میرا بھارت سدا

خدایا ہے جنتا بہت ہی غریب
مریضوں کی حاجت سے کم ہیں طبیب
کفن بھی نہیں ہو رہا ہے نصیب

خدایا کرونا سے اس کو بچا
سلامت رہے میرا بھارت سدا

07 مئی 2021ء
(فاطمہ جناح فیملی پارک، عارف والا)

سوچ اور حاصل

سعید خان رنگیلا کے نام

جو حقیقت کے ہوں عکاس، بہت کم ہیں وہ
ہم نے کردار نبھاتے ہوئے دیکھے لاکھوں
صبح واں ہو گی جہاں رات کو سوئے ہوں گے
حیثیت سب کی حقیقت میں ہے فطری قانوں

سوچ لینے سے شہنشاہ ہوں میں دنیا کا
ساری دنیا کی شہنشاہی نہیں مل جاتی
سوکھی ڈالی کو گلستان میسر کر دیں
پھول پھل دور، کلی اُس پہ نہیں کھل پاتی

سوچ لینے سے کہ میں چاند کو چھو سکتا ہوں
چاند کی سطح تلک ملنا رسائی ہے محال
ہم پروں پر اگر اڑتے ہوئے پنچھی دیکھیں
پورا کر سکتے پروں پر نہیں اڑنے کا خیال

سوچ لینے سے ہر اک چیز نہیں مل سکتی
تلخ سچائی ہیں دنیا کی امیر اور غریب
بد نصیبی ہو وراثت میں ملی، کچھ ایسے
تیرے کردار حقیقت کے زیادہ ہیں قریب

10 فروری 2022ء

سورج

میں نے سورج سے کہا "تو اے مدارِ زندگی!
مجھ کو بتلا اتنی پائی ہے کہاں سے روشنی؟

تیرے دم سے ہی زمین و آسماں روشن ہوئے
سبز دنیا میں ترے دم سے سبھی گلشن ہوئے

تیری کرنوں سے ہی میٹھے ہوتے ہیں سارے ثمر
تیری کرنوں کی بدولت ہی چمکتا ہے قمر

ہیں بدلتے تجھ سے موسم، تجھ سے ہی دن رات ہے
یہ تنوّع تجھ سے ہے اور تجھ سے ہی برسات ہے

ہے اٹھاتا تو ہی لہریں، تجھ سے کھلتے ہیں گلاب
سچ بتا کیسے بنا ہے تو چمکتا آفتاب

کیسے پا سکتا ہوں تیرے جیسی میں بھی زندگی
کیسے بن سکتا ہوں دنیا کے لیے میں روشنی"

بول اٹھا "اے ابنِ آدم! خوب یہ تم نے کہا
میرے ہی دم سے ہے روشن وسعتِ ارض و سما

دیکھتا ہے میں خدا کے حکم کا پابند ہوں
میں جہاں کی کلفتوں میں باعثِ آنند ہوں

سب برابر ہیں، کبھی میں نے نہیں تفریق کی
ساری دنیا میں برابر بانٹتا ہوں روشنی

میں نہیں رکتا، ہمیشہ رہتا ہوں محوِ سفر
روشنی میری ہی دیتی ہے زمانے کو نظر

میری کرنوں پر ہے اک پل کے لیے رکنا حرام
وقت میرے دم سے ہے رہتا بدلتا صبح و شام

روشنی دینے کا تم کو، حکم ہے مجھ کو ملا
تم پہ لازم ہے خدا نے حکم جو تم کو دیا

ہے مجھے دی روشنی طاعت کی میری راہ نے
دیکھ! قرآں میں قسم کھائی مری اللہ ﷻ نے

توڑ کر تو دیکھ تیرے سامنے ہے جو فسوں
تو اگر مسلم بنے تو رشک میں تم پر کروں

اپنی ہستی کو ذرا تو بے نشاں کر کے تو دیکھ
اور تخیّل کو تو اپنے بے کراں کر کے تو دیکھ

بندہ بن کر رب کا پا لے جاودانی زندگی
ہے محمد ﷺ کی محبّت ہی حقیقی روشنی

18 مارچ 2020ء

شکستگیِ اعتماد

وقتِ رخصت کہا تھا تم نے تری راہوں میں
مشکلیں آئیں تو میں تم کو سہارا دوں گا
راہ تاریک ہوئی گر تو بنوں گا مشعل
گر بھنور گھیریں گے تم کو تو کنارا دوں گا

صرف تیرے ہی بھروسے پہ، اے میرے رہبر!
میں نے اس راہ کو ہی رستہ منزل سمجھا
تم نے جیسا کہا ویسا ہی کیا ہے میں نے
تیرے الفاظ کو ہی عمر کا حاصل سمجھا

کیسے پہنچوں گا میں منزل پہ اکیلا یہ بتاؤ
نہ میں خود رفتگی جانوں نہ ہوں راہوں کا خبیر
دیکھ اب اپنے اسی راہیِ بے کس کا مآل
جس کا ہے تیرے سوا نہ کوئی رہبر نہ نصیر

مجھ کو معلوم نہیں دور ہے منزل کتنی
جلتا ہے دھوپ سے جسم اور کوئی سایہ بھی نہیں
مشعلِ راہ تو ہونا تھا بڑی بات کہ اب
تیری جانب سے تو ہلکا سا دلاسہ بھی نہیں

30 ستمبر 2020ء

قطب ستارے سے

رات کے وقت مجھے جب بھی تم آتے ہو نظر
تو مجھے منزلیں آسان نظر آتی ہیں
تیری کرنوں کے تبسم سے مجھے الفت ہے
جو اندھیرے میں مجھے راستہ دکھلاتی ہیں

جب میں کم سن تھا تجھے جانتا تھا میں تب بھی
اپنی جانب میں بلاتا تھا اشاروں سے تجھے
دل پذیر اور مری راحت کا ذریعہ تھے تم
میں سمجھتا تھا الگ چاند ستاروں سے تجھے

بے بسی جب بھی کیا کرتی مرے دل پہ گرفت
تب مجھے حوصلہ دیتے تھے دلاسے تیرے
رات کے وقت بہانے سے پڑا بستر پر
دب اکبر سے نہیں بات تھا کرتا تم سے

لیک میں جانتا ہوں تم بڑے ہرجائی ہو
میں نہ ہوں گا تو کسی اور سے ملتے ہو گے
کل ہواؤں میں مری خاک جب اُڑتی ہو گی
تم یوں ہی اوجِ ثریا پہ دمکتے ہو گے

05 ستمبر 2020ء

محیطِ خلد

تھا سحر کا وقت، تھی بادِ صبا مہکی ہوئی
نکہتیں جوبن پہ تھیں اور تھی فضا مہکی ہوئی

سبز وادی کا تھا نظارا نظر کے سامنے
آب شاریں گر رہی تھیں رہ گزر کے سامنے

شبنمی کلیوں کی حسن افروزیاں تھیں اور چمن
آسماں پر ابر تھے اور سامنے کوہ و دمن

راستہ ایسا کہ منظر دل کو بھی چمکائے تھا
شاخ سے بچتا تو چہرہ پھول سے چھو جائے تھا

بحرِ استقبال تانیں خاکِ پاکی ساتھ تھیں
مستیاں پھولوں کی بھی جاری ہوا کے ساتھ تھیں

ہر کلی اپنی حیا میں جسمِ مریم کی طرح
آب کی لہریں درخشاں رنگِ نیلم کی طرح

شوخیاں روئے حسیں کی ہر طرف مستور تھیں
سرخیاں آفاق کی گویا لباسِ حور تھیں

تھے صدا موسیقیوں کی طائروں کے چہچہے
کوہ پر اشجار کی جلوے تھے آب و تاب کے

ادھ کھلی کلیاں، ہزاروں پھول، جوبن پر شباب
ساحلوں کے ساتھ نرگس اور ساتھ اُس کے گلاب

ہر طرف پھیلی اچانک تاب ناک اک روشنی
کیا سہانا تھا سماں، سورج کی تھی جلوہ گری!

دیکھ کر رنگت ندی کی خیرہ ہوتی تھی نظر
ایک پل میں بن گئی شبنم بھی نیلم اور گہر

سبز وادی، سرخ پھولوں پر سجے الماس تھے
موجہ سیماب کے کتنے ہی چشمے پاس تھے

آب شاروں نے سنائی گرتے پانی کی صدا
بھیگ میرا جسم بھی دریائے شبنم سے گیا

جب گھرا جاتے ہوئے اک پارۂ بادل میں میں
یوں لگا تھا کھو گیا اک حور کے آنچل میں میں

ہو گیا تھا روشنی سے اور بھی منظر حسیں
دھوپ کی کرنوں میں نکھری وادیاں جنت لگیں

خواب سا منظر تھا اور مستی میں ڈوبی تھی سحر
یہ فضا، میری نظر، اور سامنے تھا اُس کا گھر

02 فروری 2020ء

صبحِ وطن کی یاد

پھر صبحِ وطن کی یاد آئی
یا مشکِ ختن کی یاد آئی

وہ رنگ سحر کا یاد آیا
وہ نور قمر کا یاد آیا
شبنم میں وہ مسکراتی کلیاں
خاموش نگر کی مہکی گلیاں

مشرق کی طرف حسین بادل
جنت میں گزرتا تھا ہر اک پل
بہتی ندیوں کا صاف پانی
اللہ کا نہیں کوئی بھی ثانی

وہ خنکی ہوا کی یاد آئی
وہ شوخی صبا کی یاد آئی
منبع تھا مہک کا آسماں بھی
کلیوں سے مہکتی تھی وہ وادی

فطرت کا حقیقی حسن ہے وہ
قدرت کا حقیقی روپ ہے وہ
سورج کی سہانی کرنوں میں تھی
مردوں کو جِلانے کی بھی خوبی

پھر شبنمی پون کی یاد آئی
پھر اپنے چمن کی یاد آئی
جب اپنے چمن کی یاد آئی
تو صبحِ وطن کی یاد آئی

06 دسمبر 2019ء

طائرِ آوارہ

حسیں ہے سماں شام کے وقت بے حد
مچلتے ہیں پھرتے ہواؤں کے جھونکے
ہے سورج بھی بے تاب اب ڈوبنے کو
افق پر پڑے ابر کے کالے پردے

اُڑے گھونسلوں کو ہیں جاتے پرندے
ہزاروں کی تعداد میں اب اِکٹھے
کہیں غول جاتے ہیں جنگل کی جانب
وہاں منتظر آشیاں اُن کے ہوں گے

مُقدّر پرندوں کے کتنے ہیں اَچھے
کہ اُن کو بلاتے ہیں خود اُن کے مسکن
نظارہ بہت ہی حسیں ہے کہ جس کو
ہے محسوس کرتی مرے دل کی دھڑکن

ہیں اک سمت اِکٹھے ہزاروں پرندے
ہوں میں دوسری سمت آوارہ تنہا
پرندوں کی صورت ہوں میں بھی سفر میں
ہے اُن سے مگر کچھ جدا میرا رستہ

ہیں آخر میں کچھ آشیاں اُن کی منزل
مگر میری کوئی بھی منزل نہیں ہے
ہوں شاید کوئی ایسا بے بس پرندہ
کہیں بھی سکوں جس کو حاصل نہیں ہے

08 اپریل 2020ء

عباس علوی کی یاد میں

بھائی عباس! عجلت تھی کیا اس قدر؟
تھک گئے کر کے طے اتنا تھوڑا سفر؟

ہم سے کرتے تھکن کی شکایت ذرا
ہم اٹھا لیتے گر تھی کٹھن رہ گزر

روشنی تم سے تھی بزمِ یاراں میں
ہو گئی تیرے جانے سے تاریک تر

تھا یقیں ساتھ چلتے رہو گے سدا
ہم سفر کون اب رہ گیا معتبر؟

تیری سنگت کی تاثیر کیسے بھلائیں؟
روحیں محسوس کرتی ہیں جس کا اثر

کس کو معلوم تھا ہو گی ظالم بہار
پھول کھلنے سے پہلے جو دے گی کتر

رونقیں جس کے دم سے تھیں، رخصت ہوا
باقی اجڑے دیار اور سونے نگر

دل شکستہ ہیں اور حوصلے چور چور
سینے میں دل کے پارے رہے ہیں بکھر

موت کو بھیج دیتے ہماری طرف
کس نے تم سے کہا اس کو لو اپنے سر؟

کس جگہ سو گئے اور کہاں کھو گئے؟
منتظر ہیں سبھی، واپس آ جاؤ گھر

27 مئی 2021ء

عورت

تری ہستی سے قائم سب نظامِ زندگانی ہے
حقیقی حسن کی تیرا تبسّم ترجمانی ہے

سمیٹے جس نے دو عالم شکستہ جو ہوئے کن سے
وہ بحرِ ناز! تیری وسعتوں کی بے کرانی ہے

تپش ہے نبضِ ہستی میں فقط تیری ہی دھڑکن سے
بسائے خود میں ساری نکہتیں تیری جوانی ہے

مقدس ہے تری عفت، ترا پردہ، ترا آنچل
ترا ہونا جہاں میں اک عطائے آسمانی ہے

تخیّل کی ہے تو ملکہ، تصوّر کی مہارانی
کہ دل کی سلطنت پر بس تری ہی حکمرانی ہے

کلی ہے تو، تری نکہت سے ہے مہکا جہاں سارا
ترے ہونے سے دنیا کی مسرّت جاودانی ہے

تو اک نغمہ ہے اک اک حرف جس کا دے سکوں دل کو
ہے تو اک ساز جو تفہیمِ فطرت کی نشانی ہے

ترے ہی ساتھ نے ممکن بنایا رہنا دنیا میں
قرارِ ابنِ آدم بس تری ہی مہربانی ہے

تری دوشیزگی نکہت، ہے تو دنیا کی آرائش
نزاکت میں، محبّت میں تو بادِ گلستانی ہے

یہاں عورت ہے تو، جنت میں تجھ کو حور کہتے ہیں
سجاوٹ تیرے دم سے لازمانی، لامکانی ہے

11 مارچ 2020ء

عہدِ نشاطِ نو

پھر ہے عہدِ نشاط آ چکا، اس تھکے ماندے دل کے لیے
آخری بھی ملاقات کو جانے کتنے برس ہو چکے

پاس طائر کا اب بھی ہے پر، ہم ملے تھے جہاں واں گرا
جب اسے دیکھتا ہوں مجھے یاد آتا ہے چہرہ ترا

اک ملاقات پر ہم نے پائیں سال ہا سال کی دوریاں
جانے پھر ہم نہ کیوں مل سکے جانے کیسی تھیں مجبوریاں

پھر ملاقات کا اب یقیں ہے دلایا مجھے وقت نے
پھر ہے عہدِ نشاط آ چکا میرے مرجھائے دل کے لیے

26 جولائی 2020ء

ضیائے لرزاں

میں دیکھتا ہوں موڑ پر وہ اک لرزتی روشنی
کہ چند لوگ جس کے دائرے سے ہیں گزر رہے

حسین، ناگوار، خوش، خموش، سوگوار لوگ
جو آج ہے وہ کل نہیں یوں تیزی سے ہیں مر رہے

میں سب کو جانتا ہوں ایک آدمی کو چھوڑ کر
گزرتا ہے جو روز دیکھتا نہیں یہ روشنی

جو سوچتا گزر ہے جاتا راستہ مہیب ہے
اکیلا، ساتھ لوگ ہیں پہ ہم سفر نہیں کوئی

نہیں ہے رکھتا جس کا دل ذرا بھی جذب اندروں
مجھے ہے لگتا کہ وہ بد نصیب شخص میں ہی ہوں

08 جون 2020ء

غلط راستہ

بڑی مشکل سے میں نے راستہ یہ پایا تھا
اس کا ہر ذرہ مری جستجو کا شاہد ہے
جو خیالوں میں ترے خود سے کیا کرتا تھا
بے خودی میں مری اُس گفتگو کا شاہد ہے

تیری چاہت تری اُمید کی اِن راہوں میں
میں نے کانٹوں سے بھی پھولوں سی محبّت کی ہے
میں نے چوما ترے رستے کے ہر اک پتھر کو
حجرِ اسود کی طرح سب کی زیارت کی ہے

خار جتنے بھی ملے پیاسے تری راہوں میں
خونِ دل سے سبھی کی پیاس بجھا آیا ہوں
خدا کے نام سے واقف نہیں تھے جو رستے
اُن کے ہر ذرے پہ سجدے میں بچھا آیا ہوں

میں چراغوں کی طرح جلتا رہا راتوں میں
میں ستاروں کی طرح شب میں بھی بیدار رہا
آتشِ عشق میں بادل کی طرح برسا ہوں
اور اشکوں میں بھی دل میرا شرر بار رہا

جب بہت دیر ہوئی، تب مجھے معلوم ہوا
تھی مجھے جس کی طلب یہ تو وہ دنیا ہی نہیں
تیری الفت کی منازل سے صدا آتی ہے
جس پہ چلنا تھا تجھے یہ تو وہ رستہ ہی نہیں

21 دسمبر 2019ء

کچھ اُس کے سوا بھی

شوقِ دل مسلکِ اربابِ جفا یاد رہے
ملتی دنیا میں نہیں سب سے وفا، یاد رہے

مان لیتا ہوں کہ کرتے ہو بہت اُس پہ یقیں
مان لیتا ہوں وہ لگتا ہے تمھیں سب سے حسیں

موج در موج مسلسل سی کہانی ہے حیات
بن تغیر کے نہیں ملتا کسی کو بھی ثبات

ہر نئی صبح نئے پھول کھلا دیتی ہے
روز شبنم گلوں کو پھر سے سجا دیتی ہے

زندگی گر ہے بتانی وفا کے مقصد سے
تم کسی ایک کی خاطر نہ گزرنا حد سے

یوں نہ ہو جس کو سمجھنے لگے تو اپنا جہاں
جس کی چاہت کے تو پودے کو کرے خوں سے جواں

لاکھ چاہے سے بھی وہ تجھ سے وفا کر نہ سکے
رسمِ الفت کو کسی طرح ادا کر نہ سکے

اور ترے پاس نئی دنیا بسانا تو کجا
اپنے روٹھے ہوئے ماضی کو منانا تو کجا

وہ تمھارا نہ ہو تو کوئی تمھارا نہ رہے
روٹھے سپنوں کے تبسم کا سہارا نہ رہے

10 اکتوبر 2020ء

فلسفۂ ہجر

دلیلِ پختگیٔ عشق ہے دلبر سے دوری بھی
وفا کا امتحاں ہونا ہے عاشق سے ضروری بھی

ستم ہی عشق کا حصہ نہیں ہے، ناز بھی تو ہے
ملن اور ہجر کے اک بیچ پنہاں راز بھی تو ہے

مزہ تب ہے کہ جب محبوب کا چہرہ رہے پنہاں
ستم مت کہنا گر عاشق ہوا ہو خون میں غلطاں

رخِ محبوب ہو آگے تو شمشیریں بھی کلیاں ہیں
اگر پتھر سمن سے ہیں تو تعزیریں بھی کلیاں ہیں

برہ کے درد کی ہوتی نہیں ہے انتہا کوئی
بھلا محبوب سے عاشق ہے رہ سکتا جدا کوئی؟

اگر ہے امتحاں عاشق کا تو وہ رنجِ فرقت ہے
شبِ تاریک میں آنکھوں کے آگے وہ ہی صورت ہے

بہا کرتے ہیں جب دریا کسی عاشق کی آنکھوں سے
منور دل ضرور اُس وقت ہے کچھ پاک جلووں سے

کسی عاشق کے دل کی شب کی بے تابی غمِ ہجراں
ستاروں کی چمک میں کیفِ بے تابی غمِ ہجراں

یہ وہ جذبہ ہے جو فرہاد کو مرنے نہیں دیتا
کٹا کر سر بھی جو فرہاد کو مرنے نہیں دیتا

وصالِ یار میں لذت ہے لیکن امتحاں نہ ہے
طلب دیدار کی عاشق کی سچی ترجماں نہ ہے

حقیقی عشق کی منزل : فنا فی الیار ہو جانا
غنیمت ہے رخِ محبوب کا دیدار ہو جانا

اکیلا بھی ہو گر عاشق تو بھی تنہا نہیں ہوتا
وہ پل ہے کون سا جب سامنے جلوہ نہیں ہوتا؟

زمیں سے آسماں تک اُس کا ہی چہرہ نظر میں ہے
ضیاء اُس رخ کی ہی آتی نظر شمس و قمر میں ہے

ہے ملنا عشق میں لازم، نہ ہی دیدار لازم ہے
محبت میں ہے گر لازم، رضائے یار لازم ہے

چراغِ زندگی کی روشنی اُس رخ کے پردے میں
وصالِ یار کی امید ہے محشر کے پردے میں

ضیائے عشق ہے ہجراں، بقائے عشق ہے ہجراں
عطائے عشق ہے ہجراں، دعائے عشق ہے ہجراں

وہ صورت خود ہی ہو جاتی ہے پردوں سے عیاں دل پر
سہارا آ کے بن جاتی ہے دل ہوتا ہے جب مضطر

دلِ محبوب سے عاشق جدا ہو ہی نہیں سکتا
برہ کے بن محبت میں مزہ ہو ہی نہیں سکتا

وصالِ یار کی منزل کا وقتِ ہجر رستہ ہے
برہ میں بھی اگر ہے مطمئن تو عشق سچا ہے

07 جنوری 2020ء

کرونا وائرس

پھیلی ہے یوں وائرس کرونا
انساں بنے موت کا کھلونا

پرخوف فضائیں ہو چکی ہیں
تقدیر کا رونا رو چکی ہیں

پابندی لگی ہیں محفلوں پر
ہیں بند سکول کالج اکثر

دنیا اسی کی لپیٹ میں ہے
اور لوگ ہیں مر رہے بہت سے

اب بند ہے کاروبار دنیا
نقصان ہے ہو رہا بہت سا

یہ آفتیں کچھ عجب نہیں ہیں
حیرانی کا یہ سبب نہیں ہیں

انسان گناہ کر رہے ہیں
اعمال سیاہ کر رہے ہیں

اک دعوت اجتناب ہے یہ
اللہ کا اک عذاب ہے یہ

ہم وہ کریں جو ہے رب کی مرضی
وہ زندگی تب بنے گی اچھی

غفلت کی قبا گرا اتار دیں ہم
اس زندگی کو سنوار لیں ہم

17 مارچ 2020ء

مجادلہ

کیا سمجھتے ہو مجھے تم، شاعرِ آوارہ، بس؟
جس کے فن پارے فقط بے سود تحریریں بنے

جس کے دل کو ہو نہیں سکتا کبھی بھی سچا پیار
مائلِ عشرت ہے اور کہتا ہے میں مشکل میں ہوں

قابلیت جس کی ہے معصوم لفظوں سے دغا
جس کی چاہت کا ملا ہم کو نہیں اب تک سراغ

جس کی صناعی کسی صورت کہیں رکتی نہیں
چاہت والفت ہیں جس کی شاعری کے مہرے بس

خوب آتا ہے جسے بے درد بن کر کھیلنا
جو لبِ اخلاص سے اک بھی دعا لے گا نہیں

وادیٔ جذبات کا جلتا ہوا شعلہ ہوں میں
بے ثباتی کے جہاں میں صوت کا دریا ہوں میں

عاشقوں کی آنکھوں میں بن کر ضیا رہتا ہوں میں
دردِ ہستی سے بنائے روح تک جلتا ہوں میں

شوقِ گویائی کا اور اظہار کا سودا ہوں میں
یہ کہا کس نے کسی سے پیار بھی کرتا ہوں میں؟

ہو اجازت، جس جگہ جذبات کی، رکتا ہوں میں
جو مرے دل کو بھلی لگتی ہے، وہ کہتا ہوں میں

حال کے اظہار کا ہر حق ادا کرتا ہوں میں
آپ ہی دے دیں دعا، ہاں! آپ کا اپنا ہوں میں

16 نومبر 2019ء

گھر کیسا؟

عزیز ساتھی! جو تم نے پوچھا اکیلا کیوں ہوں؟
کوئی مری راہ تک رہا ہو گا میرے گھر پر
یہاں وہاں کس لیے ہوں آوارہ پھرتا رہتا؟
کسی کے دل کا ہے مجھ کو آباد کرنا مندر

کہا جو اپنے حساب سے تم نے سچ کہا ہے
مگر مری زندگی تمھاری سے مختلف ہے
دو بیٹیاں، ایک بیٹا ہے، ایک بیوی بھی ہے
جو سب ہیں بیگانہ مجھ سے، یہ مجھ پہ منکشف ہے

تمھاری بھابی سے تلخیاں کافی بڑھ گئی ہیں
نبھا نبھا کر یہ رشتہ بیزار ہو گئے ہیں
مگر جدا ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اب
کہ عمر ڈھلتی ہوئی سے لاچار ہو گئے ہیں

ہے چار بچوں کا باپ میرا اکیلا بیٹا
جو فیملی کے لیے کوئی جاب کر رہا ہے
معاش کے ہے اُسے مسائل کا سامنا اب
سزا حسیں غلطیوں کی اپنی بھگت رہا ہے

مری بڑی بیٹی اپنے گھر والی ہے کہ اُس کو
کوئی ملا جو زیادہ مجھ سے تھا پیار کرتا
مری رضا کے بغیر اُس نے کیا ہے سب کچھ
غلط تھی آزادی، پر میں کیا میرے یار کرتا؟

بہت ہی ہے لاڈلی مری سب سے چھوٹی بیٹی
پڑھائی کے واسطے جو رہتی ہے ہاسٹل میں
مجھے بہت پیار کرتی ہے، پیاری لگتی بھی ہے
ہے رہتا ڈر، چھوڑ جائے نہ مجھ کو وہ بھی پل میں

وہ ایک اک شخص، جو مرے گھر میں رہ رہا ہے
فقط مرے پیسے کے لیے، ورنہ منتشر ہے
بتاؤ کیا واقعی مرا گھر ہے میرا ہی گھر؟
میں جاؤں کس کے لیے وہاں؟ کون منتظر ہے؟

07 دسمبر 2021ء

محرومِ درد

ظلمتِ عالم اسیرِ خانۂ دل ہے ابھی
ہے سکوں کی جستجو گو دور منزل ہے ابھی

آشنائے راز تو کردے تجھے مشکل نہیں
فکر کیا یاں فکر کا انداز بھی حاصل نہیں

اب مرے دل سے جدا ہے میری وہ دیوانگی
رہ گئی تجھ سے برا ے نام ہے وابستگی

غرقِ عصیاں ہے مکمل طور پر ہستی مری
دور لے کر جا رہی ہے تجھ سے مجھ کو زندگی

ہے مجھے سوزِ خزاں اور نہ ہی کچھ ذوقِ بہار
چاہتا کیا ہوں نہیں مجھ پر بھی ہوتا آشکار

حسنِ کیفیات مجھ سے آج تک محجوب ہے
کیوں سکوتِ انجمن جانے مجھے مطلوب ہے

فکرِ ہستی سے، قیامِ شوق سے محروم ہوں
ذکرِ سوزاں سے، درودِ ذوق سے محروم ہوں

میری پروازِ تخیل قیدئ امروز ہے
روح کو مطلوب میری برقِ خرمن سوز ہے

دور تجھ سے کر چکا شوقِ عبث بے حد مجھے
بھول ہے مجھ کو چکا اِس زیست کا مقصد مجھے

11مارچ2020ء

مشورہ

ستارے لانے کے دعوے ہیں جھوٹے
یہاں عشاق کے آدے ہیں جھوٹے

محبت کہتی ہے کر کے دکھاؤ
کھڑے ہو کر نہ بس باتیں بناؤ

منافق لوگ ہیں الفت سے عاری
حقیقت میں ہوس کے ہیں پجاری

وفا کا دعویٰ کرنا تو سہل ہے
بہت مشکل مگر ہونا اہل ہے

محبت رب سے ہو یا آدمی سے
ہے ہوتی بس یہ دل کی دل لگی سے

ستاروں سے نہیں الفت کو مطلب
نہیں سورج سے کچھ ظلمت کو مطلب

عبادت ہے نہیں کچھ شک محبت
حقیقی عشق ہے بالکل سعادت

محبت خون عاشق مانگتی ہے
نہیں چہرے کو، دل کو دیکھتی ہے

مرا تھا قیس جس میں، وہ وفا ہے
نہیں ویسی تو جھوٹوں کی ہوا ہے

ہے ویسا عشق تو دل میں بسا لو
نہیں ویسا تو بس دامن بچا لو

08دسمبر2019ء

محمد ابراہیم ذوقؔ

شاعری یا خلد میں رقصاں ہیں طاؤس اور رباب
لفظ جیسے آبِ کوثر کو لٹاتے ہوں سحاب

ہے سخن قربان اُس کے حرف کے ہر پیچ پر
اُس کی اک قطرہ حبر پر وار دیں شبنم گلاب

جھومتے ہیں سن کر اُس کے شعر دلدارِ سخن
شک نہیں اس میں کہ اُس کی شاعری ہے لاجواب

ابتدأ شاعری کا شوق جب مجھ کو ہوا
میرے شوقِ شاعری کا وہ تھا پہلا انتخاب

جانتی ہے اُس کو دنیا شیخ ابراہیم ذوقؔ
شاعری کے آسماں کا ایک تاباں آفتاب

گرچہ غالب کا بھی سہرہ تھا کمالِ شاعری
معذرت غالب نے بھی کی ذوقؔ کا پڑھ کر جواب

اُس طبیعت کی روانی الحفیظ والاماں
کھو گئیں غزلیں کبھی گرچہ تھیں اُس نے بے حساب

شاعری کے آسماں کے اُس ستارے کو سلام
شاعری ہے اُس کی پیاسوں کے لیے بادۂ ناب

وہ تھا میخانۂ جمِ شعر و سخن کے واسطے
ہے سخن تشنہ لبوں کے واسطے جنت کا آب

اور پاکیزہ خیالی اُس نے ایسے پیش کی
جیسے ہو سیراب کوئی پی کے جنت کی شراب

شعر کی قوت سے پیدا کر دے اک اور آسماں
یا شبِ دیجورِ ہجراں کا بنے وہ ماہتاب

نزع کے عالم میں بھی شعر و سخن کی ہی تھی فکر
ہو نہیں سکتا بیاں لفظوں میں اُس کا اضطراب

تھا شبستاں میں کبھی بے چین جلوے کے لیے
اور کبھی محبوب کے رخ پر تھا وہ خود ہی نقاب

جو سخن باقی ہے اُس کا رنگ ہی دیکھیں اگر
اب بھی کہہ سکتے ہیں اُس کو شاعری کا آفتاب

وہ ہو گر موجود ہو جائیں گے چپ اہلِ سخن
شاعری کا آسماں ہے سامنے اُس کے حباب

جو ہیں بے بہرہ حقیقت سے سخن کی آج بھی
ذوقؔ کو کیا فرق چاہے وہ کریں جتنا عتاب

وہ نظر کر کے سخن میں کر دے صحرا کو چمن
سخت مٹی میں کھلانا جانتا ہے وہ گلاب

ہے سخن اُس کا روایاتِ سخن کا پاس دار
شک نہیں اُس نے بڑھائی شاعری کی آب و تاب

کچھ ہیں کہتے ذوقؔ کو کہنا ہے شاعر بھی گناہ
میر کو کہنا ہے شاعر کس شریعت میں ثواب؟

گرچہ شاعر دوسرے بھی اچھے ہیں اپنی جگہ
ذوقؔ لیکن ہے ستاروں کے میاں اک آفتاب

داغ اور آزاد بھی تھے اُس کے شاگردِ رشید
جو فضائے ریختہ میں اُڑنے والے تھے عقاب

جو سمجھ پائے نہیں اب تک حقیقت ذوقؔ کی
بحرالکاہل کو گویا وہ سمجھتے ہیں سراب

شاعروں کا بادشہ ہے ذوقؔ اور "خاقانِ ہند"
اور "فنا فی الشعر" کا بھی کتنا موزوں ہے خطاب

ذوقؔ کے یا ذوق عاشق تو ہیں کہتے آج بھی
اپنے جوبن پر رہے گا اُس کے شعروں کا شباب

اُس کا گم گشتہ سخن میرے لیے اک بحر ہے
اُس کا ہر مصرع ہے میرے واسطے جمنا چناب

غالب و مومن، ظفر تو ٹھہرے اُس کے ہم زباں
میر و حافظ کا یقیناً ذوقؔ بھی ہے ہم رکاب

اب تو مل سکتا نہیں گو ہر کہیں بھی وہ ہمیں
اس جہانِ فانی میں ملنا فقط ہے ایک خواب

ہے مجھے افسوس اُس کی شاعری ضائع ہوئی
اور کتب خانے میں باقی ہے بچی بس اک کتاب

یا خدا! جنت کے پھولوں سے سجا اُس کا مزار
حشر میں بھی اُس کو رکھنا، یا خدا! عزت مآب

04 دسمبر 2019ء

مظاہرہ

وہ ہلکے ہلکے قدم اُٹھا کر جب آئی اسٹیج پر پڑھانے
تو یوں پریشان ہو گئی تھی برستے جیسے ہوں تازیانے

ہمیں تشخص کے بارے میں کچھ بتانا وہ چاہتی تھی لیکن
خود اتنی گھبرا گئی تھی اُس وقت، بولنا بھی رہا نہ ممکن

کچھ ایسے انگریزی کی تراکیب میں وہ شاید الجھ گئی تھی
محال لگتا ہے اپنے الفاظ کے معانی سمجھ رہی تھی

نقاب پیچھے اداس چہرے کی تھی پریشانی صاف ظاہر
گئی تھیں جب پھول اُس کی سانسیں، کہا سکوں کر لو، کہنا کچھ پھر

کہا تب اُس نے "ہر ایک شعبہ موازنے کو نہیں ہمارے
کبھی نہ سوچیں 'ہوں دنیا میں سب سے میں ہی بے کار' اپنے بارے

نہیں طبیعت کے جو مطابق، وہ کرنے سے ہے نہ کرنا بہتر
جو شعبہ تم کو پسند ہے، اُس میں تم جا سکتے ہو سب سے اوپر"

ادا یہ الفاظ کر کے تحسیں کی جب تھی اُس کی نظر سوالی
ہے یاد مجھ کو تمام لوگوں نے بعد میرے بجائی تالی

19 مارچ 2021ء

کشفِ حجاب

اف! یہ کیسا دور ہے ناموسِ عورت کے لیے
زہرِ قاتل ہے تمدن برقِ غیرت کے لیے
جو محافظ تھی کبھی اولاد کے اخلاق کی
خود بڑا فتنہ بڑی حفظِ شرافت کے لیے

تیل میں مل جانا آتش کس طرح محفوظ ہے؟
خود نمائی کی یہ کوشش کس طرح محفوظ ہے؟
جب ہوس ہے جاودانی دونوں ہی کے درمیاں
منکشف پردوں کی خواہش کس طرح محفوظ ہے؟

سر چھپایا جا سکا کب غیرتِ اقوام سے
جسم کھلتا جا رہا ہے گردشِ ایام سے
گھر میں کب رکتی ہے اب رونق جو ہے بازار کی
رونقِ محفل اگر ہے، وہ بھی ہے مادام سے

اُن کے پردے اٹھ گئے اور شرم و غیرت مٹ گئی
مرد کی بھی آنکھ سے فہم مروت مٹ گئی
جب سے عورت توڑ کر نکلی ہے دیوارِ حیا
اِس بھری دنیا سے بالکل ہی شرافت مٹ گئی

اب ہے عورت جسم بے پروا، زیادہ کچھ نہیں
ہے پہنتی آج کل جو یہ لبادہ، کچھ نہیں
گرم ہے بازار جلوہ لاکھ آنکھیں ہیں جمی
اور اس محفل سے جانے کا ارادہ کچھ نہیں

تھی گراں یہ جنس لیکن آج ارزاں ہو گئی
شمع تھی گھر کی مگر محفل میں تاباں ہو گئی
فکر کرنا تھی زیادہ حفظِ عصمت کی اسے
چھوڑ کر پردے کو یہ بڑھ کر نمایاں ہو گئی

نرم گوئی کا ہے یہ پہلو قضا کس کے لیے؟
بے تکلف ہو کے ہے ملنا روا کس کے لیے؟
مان لیتے ہیں چلو جلوہ نمائی خوب ہے
خوب سوچو کر رہی ہیں وہ خطا کس کے لیے؟

مغربی تہذیب کو کیوں مانتی ہیں عورتیں؟
یہ ہی تھی مردوں کی خواہش: جانتی ہیں عورتیں؟
ہو گئیں آزاد پہلے سے زیادہ بے حیا
تف! ترقی کیا اِسے گردانتی ہیں عورتیں؟

ختم ہوتی جا رہی ہے، اب حیا بے نام کو
آشنا سے اپنے خلوت میں جدا ہے نام کو
جلوہ آرائی ہے اب آسان لیلیٰ کے لیے
اِس لیے مجنوں کے دل میں بھی وفا ہے نام کو

اب کہاں غیرت ہے باقی، اسم باقی رہ گیا
راکھ اور مٹی کی بس اک قسم باقی رہ گیا
دل نہیں اب چاہتا کہنے کو ان کو عورتیں
مر گئی ہے اصل عورت، جسم باقی رہ گیا

19 اکتوبر 2020ء

معدومیت

آبرو مٹ گئی مسلماں کی
کفر رقصاں، اماں باقی نہیں

دیکھ جس کو کہیں مسلماں ہیں
ان میں ایسا نشان باقی نہیں

کفر للکارتا ہے آؤ بھی
اب مسلماں میں جان باقی نہیں

کافروں کے لیے جو ہو خالد
اک بھی ایسا جوان باقی نہیں

کافروں کا کہا ہی صادق ہے
اپنے منھ میں زبان باقی نہیں

اہلِ مذہب کو کہتے ہیں جاہل
اب کہ مذہب کی 'شان' باقی نہیں

اک بہانہ فرار کا یعنی
اب صلوٰۃ و اذان باقی نہیں

مصطفیٰ ﷺ کے غلام ہیں لاکھوں
دیں کا لیکن بیان باقی نہیں

زنگ آلود دل ہیں، اور طرہ
آخرت کا جو دھیان باقی نہیں

اب اُٹھائیں گے سر کبھی مومن
اِس کا وہم و گمان باقی نہیں

19 دسمبر 2019ء

مقاصدِ دشمنانِ اسلام

نفاق و کفر کی کوئی دوا باقی نہ رہنے دو
مسلمانوں کی آنکھوں میں حیا باقی نہ رہنے دو

اُنھیں تعلیم بھی وہ دو کہ جو کافر کرے اُن کو
کہیں قرآن و سنت کی صدا باقی نہ رہنے دو

مسلمانوں کی نظروں میں گرا دو اِس طرح اسلام
کہ دنیا میں کوئی اچھا برا باقی نہ رہنے دو

ملا دو اِس طرح اسلام میں کفار کی باتیں
اب ایماں کفر کو یکسر جدا باقی نہ رہنے دو

خدا کی ذات پر اُن کا یقیں اب اتنا کم کر دو
کسی میں فکرِ تسلیم و رضا باقی نہ رہنے دو

نمازوں کے ادا کرنے کو سمجھیں یہ مصیبت سب
کسی میں فکرِ تحسین و ادا باقی نہ رہنے دو

عجب عصیاں نہ یہ سمجھیں، عمل ہوں بس دکھاوے کو
کہیں بھی نام اب اسلام کا باقی نہ رہنے دو

خدا کا خوف تو باقی نہیں پہلے ہی سینوں میں
مسلمانوں کے دل میں اب خدا باقی نہ رہنے دو

10 جولائی 2019ء

منزل سے

تھی مری عمرِ رواں کا اک بڑا ارمان تو
اور بے چینی کا میری تھی بڑا سامان تو

وقف کر دی ہر گھڑی اپنی میں نے تیرے لیے
اور رہی پہنے ہوئے امید کا پیمان تو

دیکھتی تھی تو مرے اٹھتے قدم اپنی طرف
میری پروازوں سے، جس دم تک رہی انجان تو

جب کبھی ہونے میں لگتا تھا تہی دامنِ مراد
زندہ کر دیتی تھی جذبوں میں وہی ہیجان تو

میں رہا بے خواب اکثر رات بھر تیرے لیے
اور رہی دن میں بھی میرے کام کا میدان تو

لگتا تھا بن تیرے میرا ہونا نہ ہونا ہی تھا
اور یقیں بھی تھا کہ ہو گی کل مری پہچان تو

بھول جاتا تھا میں خود کو، یاد رکھتا تھا تجھے
رہتی میرے ذہن میں تھی ہر گھڑی ہر آن تو

ہے پہنچا جب تہیہ کر لیا تم تک ضرور
تب ہی کچھ لگنے لگی دل کو مرے آسان تو

میرے جذبے سے جو ٹکراتا تو رک جاتا وہیں
گرچہ میری راہ میں لائی بہت طوفان تو

میری منزل! آج میں نے تجھ کو حاصل کر لیا
اور مجھ کو دیکھ کر بس رہ گئی حیران تو

17 نومبر 2019ء

موت

نقوشِ انتظار تیزی سے ہیں تیرے مٹ رہے
ورق ورق لکھی گئی تری حسین داستاں

صبا میں ڈالیوں کے رقص سے ہر ایک گُل بنا
ہو جیسے لوحِ دل پہ نقش بس تمہارا ہی نشاں

سرورِ زندگی تھا کیا نہ ملنا ہوتا تم سے گر؟
کہ قائم اک تمہاری ہی امید پر ہے سب جہاں

تکلّفات، اضطراب، جذبِ دل، مُسَرّتیں
تری ہی پاک ہستی سے ہے سب جہاں رواں دواں

بہت زیادہ تیری خامشی پسند کرتے ہیں
سنبھالتی ہیں بانہیں تیری جب ہو زندگی گراں

ترے قدم کی آہٹیں، خفیف مسکراہٹیں
سکوں تری لپیٹ میں ہے کتنا زیرِ آسماں

یہ شبنمی سا باغ جس میں ہم ہیں سارے چل رہے
کا اختتام تیرا بوسہ ہے اے زیبِ گُل رخاں

تمہیں تو علم ہو گا ہی ہر اک نشاں ہے عارضی
خیال کا جہان بھی ہو جس میں رہتی تم نہاں

یہ بدلیاں، یہ بارشیں ہے جن میں بھیگنا پسند
کسی کنول کو ڈھونڈتی بہت شریر انکھڑیاں

بہت ہی جلد ہوں گی اک فسانہ جن سے صرف تم
ہی دیکھی جا سکو گی ان گنت دلوں کی حکمراں

16 اپریل 2020ء

موسمِ سرما کی ایک رات

وہ رات کیا ہی خوب تھی سرما کی ایک بار
تھا رات کا سماں بھی جیسے موسم بہار

بابر بیاں سے حسن میں تھا رات کا وہ سماں
دامن زمیں کا اوس سے اور دھند سے گراں

خاموش کائنات تھی اُس رات چار سو
لیکن سحاب چرخ سے کرتے تھے گفتگو

ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، خوشگوار وقت
خوشیوں کو کر رہا تھا جہاں پر نثار وقت

سنسان سے دیار میں تاریک تھے شجر
فطرت کے پیچ کر کے وا تھی دیکھتی نظر

پنچھی بھی آشیانوں میں خاموش بیٹھے تھے
ہر چیز کو وہ کر کے فراموش بیٹھے تھے

اُس دھند کی لپیٹ میں تاروں کی وہ چمک
خوشیاں تھیں اور مُسکراتیں چہروں پہ تھی دمک

سنسانیوں سے دھند ہوئی اور بھی سوا
دو گام سے پرے نظر آتا نہ تھا ذرا

چہرے پہ چاند کے ابھی کالا نقاب تھا
تاریکیوں میں نور چھپا بے حساب تھا

اُس رات نے بپا کیا دل میں فساد ہے
سائرؔ کی زندگی کی اک حسین یاد ہے

23 دسمبر 2017ء

موسیٰ اور گلہ بان لڑکیاں

تھا کرتا شاہِ مصر قتل کا جب اُن کے مشورہ
نکل پڑے سفر پہ موسیٰ، مدین اُن کی رہ میں تھا

سکون کے لیے تھے جس کنویں کے پاس وہ رُکے
گڈریے واں مویشیوں کو پانی تھے پلا رہے

ذرا پرے دو لڑکیاں تھیں جانور لیے کھڑی
تو پوچھا موسیٰ نے ہو پانی کیوں نہیں پلا رہی؟

لگیں وہ کہنے ابا ہیں بزرگ (ڈوبی شرم میں)
نہیں پلاتیں ہم گڈریے جب تک پلا نہ لیں

مویشیوں کو پانی اُن کے موسیٰ نے پلا دیا
وہ چل دیں، موسیٰ اپنے رب سے کرنے تب لگے دعا

حیا سے چلتی لڑکی ایک آئی پاس آپ کے
کہا کہ اپنا اجر آ کے لے لیں میرے باپ سے

کہانی سن کے باپ بولے کچھ نہ فکر کیجیے
کہا حیا سے ایک لڑکی نے کہ اجر دیجیے

یہ دو ہیں میری بیٹیاں (کھڑی تھیں اُن کے سامنے)
نکاح ایک کا میں کرنا چاہتا ہوں آپ سے

ہے حقِ مہر آٹھ سال کام کیجیے یہاں
کریں جو دس برس تو ہوں گے ہم پہ آپ مہرباں

جناب پختہ عہد یہ رہا ہمارے درمیاں
کہا جو ہم نے اُس پہ ہے وکیل ربِ مہرباں

07 جون 2020ء

نافرمانی

خدا نے آدم کو سجدے کا حکم جب دیا تھا
میں اس سے بہتر ہوں، تب یہ ابلیس نے کہا تھا
میں آگ سے، خاک سے ہے آدم، بجائے تحسین
کیا نہ سجدہ کہ اس کو سمجھا وہ اپنی توہین

کہا خدا نے کہ خلد میں با سرور رہنا
مگر اے آدم! اس اک شجر سے ہے دور رہنا
پڑی تھی جنت، مگر تجسس نے سر اٹھایا
تمام جنت میں اُس شجر کے ہی پھل کو کھایا

جنابِ نوح اپنی قوم سے کہتے "اللہ عزوجل رب ہے"
مگر نہیں مانتے تھے، کہتے تھے جھوٹ سب ہے
نبی نے ملت کی دیکھی حالت تو بد دعا دی
خدا نے سب قوم ایک سیلاب میں بہا دی

خلیل نے قوم سے کہا بت پرستی چھوڑو
یہ کچھ نہیں ہیں، خدا کو مانو اور ان کو توڑو
خلیل کی باتوں کو نہیں مانا اُن کا جب من
وہ بن گئے اللہ عزوجل کے مقرب نبی کے دشمن

کہا ابو جہل سے محمد ﷺ نے "میں نبی ہوں"
کہا ابو جہل نے میں ایمان سے بری ہوں
بقدرِ ہمت مخالفت کی نبی کی ہر دم
مگر اسے معصیت نے آخر دیا جہنم

ہمارے ذمے ہیں دین و دنیا کے جو فرائض
وہ پورے کر کے ہوئے کسی درجے پر ہیں فائض ؟
وہ سارے خواہش پرست راہب جو مر چکے ہیں
زبور و انجیل، سب میں تحریف کر چکے ہیں

خدا کے احکام کیا تھے ؟ وہ ہو گئے ہیں مبہم
ہیں سارے عزت مآب دنیا میں صرف ظالم
شراب، عصمت فروشی، دولت، ہوس پرستی
ہے ساری دنیا میں سب سے مفلس کی جان سستی

اسیرِ قانون ہونا، محدودیت سزا ہے
کہ حکم نہ ماننے کا اپنا ہی اک مزہ ہے
ہے ہوتی پاکیزگی سے دوری سے روح تازہ
شعارِ ابلیس ہے قوانین کا جنازہ

عذاب لگتے ہیں ہم کو دنیا کے سارے قانون
طلب ہے پابندیاں سبھی کر دی جائیں مدفون
فقط مسرت پرستی کی سمت ہم ہیں مائل
مخالفت ہر اصول کی خون میں ہے شامل

02 مارچ 2022ء

نصیب

میں نے نقشِ ہستی مٹا دیا پہ نہ مجھ کو راہِ فنا ملی
نہ ضیا ستاروں سی پا سکا نہ کلیدِ ارض و سما ملی

جہاں پہلو بھی نہ بدل سکوں مجھے آخر اتنی سی جا ملی

کسی روشنی کی امید تھی مجھے میری راہِ مہیب میں
مگر اُس کلی کی نزاکتیں کسی اور کے تھیں نصیب میں

میں وہ باغباں ہوں جسے کبھی نہ حنا ملی نہ صبا ملی

نہ پیام کیسے شکن شکن ملے حسن! تیرے لباس سے؟
تھا سمجھتا عصمتوں کی امیں میں تجھے حجاب کے پاس سے

ولے تیری خلوتِ شوق میں نہ ردا ملی نہ حیا ملی

میں بتوں کے عشق میں غرق تھا مجھے بت شکن ہی بنا دیا
مرے دیرِ قلبِ سلیم میں تو نے کس کو لا کے بسا دیا

مرے دل کا تم سے سوال ہے مجھے کیوں نہ راہِ ہدیٰ ملی؟

مری خوش مزاجی کی سادگی کا جواب غیض کی چال تھی
مرے دل کو چیر گئی تری جو نظر، نگاہ کمال تھی

ہے گلہ نگاہ کے تیر سے مجھے کیوں نہ بڑھ کے سزا ملی؟

مجھے ڈر تھا وہ نہ ہو بے وفا، تھی یہ فکر بھی ہو نہ غیر کا
یہ فقط مرے ہی گمان تھے، اُسے مجھ سے واسطہ ہی نہ تھا

مجھے حیف! میرے حبیب سے نہ وفا ملی نہ جفا ملی

30 مارچ 2021ء

نووارد

اِس نئے شہر کی گلیوں سے چھلکتا ہے ہراس
مختلف ہیں یہاں لوگوں کے سبھی رسم و رواج
اتنی سنجیدگی جس طرح ہو محشر برپا
سوچتا ہوں کوئی وقعت نہیں، بے حس ہے سماج

کیوں توجہ کا ہے مرکز یہاں میرا حلیہ؟
نوچ لینے کو مجھے آتی ہیں نظریں سب کی
لگتا ہے یہ در و دیوار ہیں میرے دشمن
یہ مکاں دوزخِ امکان ہے، اف! بے وطنی

میرے مجروح تخیّل ہے سے ماتم کا
اجنبی تم، کہاں منزل ہے شناسائی کی؟
کون سا دل تمھیں اِس رات ٹھکانہ دے گا
دیکھنا ہوگی قیامت تمھیں تنہائی کی

26 فروری 2022ء

ننھی کھلونا فروش

میں منتشر سے خیالوں میں ڈوبا بیٹھا تھا کل سڑک کنارے
واں ایک معصوم ننھی گڑیا اٹھائے پھرتی تھی خاک پارے

وہ ملگجی سی فرشتہ صورت تھی، عمر کچھ پانچ چھ برس تھی
"کھلونے لے لو، ہیں پختہ مٹی کے اچھے مضبوط" کہہ رہی تھی

صدا لگاتی، ٹھہرتی یاں واں وہ چل کے جب میرے پاس آئی
"کھلونے لے لیں" یہ کہہ کے اُس نے کھلونوں کی ٹوکری دکھائی

وہ ٹوکری میں اٹھائے پھرتی تھی گانے، گھوڑا و بیل گاڑی
اتار کر بوجھ میلے کندھے سے میرے چہرے کو تک رہی تھی

"یہ ننھے ننھے کھلونے کس کو ہو بیچنے آئی میری گڑیا؟"
گزرتے لمحوں کی بوریت میں مجھے ذرا سا مذاق سوجھا

"یہ مور چڑیا ضرور لیں" "میں بھلا کھلونوں کا کیا کروں گا؟
بڑا ہوں" "لے جا کے گھر پہ اپنے یہ اپنے بچوں کو دیجیے گا"

بچاری کیا جانے میرے بچے نہیں ہیں، لیکن نصیب میرا
"نہیں ضرورت" کہا جو میں نے تو اُس کی آنکھوں میں پانی چمکا

"ضرور آپ اُن کو لے کے دیتے ہوں گے کھلونے پلاسٹک کے
خریدے گا مٹی کون اور یہ مرے کھلونے کہاں بکیں گے!"

"ہاں! تم اگر میری بیٹی بن جاؤ تو خریدوں گا میں کھلونے"
چمک اٹھیں آنکھیں، مسکرائی "لیں بن گئی، اب لے لیں کھلونے"

ادا کی قیمت، کہا "کھلونوں سے کھیلنا خود ہی گھر پہ جا کر"
"نہ کھیل پاؤں گی،" بولی "پھر بیچ دیں گے ابو یہ سب تھما کر"

"اگر میں اِک بادشاہ ہوتا تو اتنے دیتا تمھیں خزانے
تم ایک شہزادی بن کے رہتیں تو پھر بھی تم سے نہ ختم ہوتے"

29 مارچ 2021ء

نوائے دل

ترے ہاتھوں میں ہے تحریر میری
بدل دے، یا خدا! تقدیر میری

خبر تجھ کو فقط ہے میرے اللہ ﷻ!
ہے زنگ آلود کیوں شمشیر میری؟

ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" جب
ہے پھر ناکام کیوں تدبیر میری؟

اطاعت سے تری میں دور کیوں ہوں؟
ہے کس نے کاٹ دی زنجیر میری؟

میں اک خوابِ پریشاں ہوں، نہیں علم
کسے معلوم ہے تعبیر میری؟

کہو اللہ ﷻ ہے واحد کی ضیاء دے
نوا تاریک ہے شب گیر میری

درِ توبہ کھلا رکھا ہے تو تم نے
مگر کب ختم ہو تاخیر میری؟

خدایا! بس مجھے اپنی رضا دے
رضا تیری میں ہے توقیر میری

کہا "لا تقنطوا من الرحمۃ اللہ"
ہے رحمت مانگتی تقصیر میری

قبول اپنی تو رحمت سے ہی فرما
زباں رکھتی نہیں تاثیر میری

01 اپریل 2020ء

نیا سال مبارک!

جو بیت گیا اُس پہ کچھ افسوس نہ کرنا
اِس سال گگن پر نئی طلعت سے ابھرنا

فرحت کا ہو احساس ، نیا سال مبارک!
ہر ذرہ ہو الماس ، نیا سال مبارک!

کوشش کرو ماضی کے ہو نقصاں کی تلافی
کی گر کسی نے ہو خطا تو دے دو معافی

آئے گی خوشی پاس ، نیا سال مبارک!
من کی بجھے گی پیاس ، نیا سال مبارک!

مٹ جائے گئے وقت کا اب سارا اندھیرا
تاریک شبِ زیست کا ہو پھر سے سویرا

آئے یہ برس راس ، نیا سال مبارک!
پوری ہو ہر اک آس ، نیا سال مبارک!

31 دسمبر 2021ء

والد

کر کے بچوں کے لیے جان فشانی والد
لکھتے ایثار کی ہیں کیسی کہانی والد!

کرتے کوشش ہیں حیات اپنی بنا کر مشکل
زندگی بچوں کی ہو جائے سہانی ، والد

ہوں کٹھن جتنے بھی حالات ، ہیں سہتے خود ہی
سہنے بچوں کو نہیں دیتے گرانی والد

ہیں سمجھتے کہ ادا فرض ہوا چاہتا ہے
صرف بچوں کے لیے کر کے جوانی والد

جان اپنی کو ہیں کر دیتے رہینِ مشکل
تا کہ اولاد کو ہو سہل رسانی ، والد

بے بدل نعمتِ رب ، مخلص و بابِ جنت
ربِ غفار کی رحمت کی نشانی والد

لمحہ فکر ہے اولاد کی خاطر یہ بہت
موت پڑ جاتی ہے ، گر مانگ لے پانی والد

11 مئی 2021ء

علیشہ رحمان کے وصال پر

جو خوشبوؤں سے تھی خود عبارت، جو زم پھولوں سے کھیلتی تھی
ہر ایک آواز کان میں پڑنے پر جو اُس سمت دیکھتی تھی

نہیں وہ اب سن رہی ہے کچھ بھی، کہیں کچھ اِس طرح کھو گئی ہے

تھی قرۃ العین جو نظر کو، سبھی کی آنکھوں کا نور تھی جو
تمام پریوں کی تھی جو ملکہ، خدا کی ننھی سی حور تھی جو

اُنھیں نگاہوں میں حسرتوں کے سیاہ موتی پرو گئی ہے

وہ اپنے رکتے ہوئے تنفس میں جو تکالیف سہہ رہی تھی
وہ تھرتھراتے گداز سینے کے بارے میں جو بھی کہہ رہی تھی

خموش ہو کر تمام تکلیفیں اپنے اندر سمو گئی ہے

جہاں کا ہنگامہ اُس کے نازک مزاج کو نہ پسند آیا
دوبارہ جنت کو لوٹنے کا عجیب اُس کو سپند آیا

ہمیشگی کے حسین جھولے میں چین کی نیند سو گئی ہے

14 جنوری 2022ء

نیند: اک گوشۂ فرار

کہاں پر
مری زندگی اب
مری منتظر ہے نہ جانے
میں نے آخری بار محسوس اس کو
کیا تھا کہ جب منزلوں نے پکارا تھا مجھ کو
اچانک لگا جیسے میں خوابِ غفلت میں سویا ہوا تھا
بڑی دیر سے جاگنے کی ادھوری تھی خواہش نہاں مجھ میں شاید
مرے ذہن میں کچھ سوالات ابھرے تھے تب، کون تھا میں؟ کہاں اور کیوں تھا؟
سلایا تھا کس نے؟ میں سویا تھا کیوں؟ بے خبر کیسے مقصد سے اپنے میں یوں تھا؟
وسائل، عوامل، مرے اختیارات، حاصل، عوض، وقت کی حد
سوالات الجھن تھے، حل ڈھونڈنا سب کا ممکن نہیں تھا
کہاں سے مری زندگی نے گزارا تھا مجھ کو
نہیں یاد اب کچھ بھی، میں تھا گیا سو
ہیں ابھرے مسائل پرانے
سو جاؤں میں پھر سب
بھلا کر؟

09 جنوری 2022ء

ہتھکنڈے

سیاست ہے ناپاک ہے۔ جس کا مقصد
فقط منفعت رہنما کی
بھلائی نہ کرنا
کسی سے
ہے منشور جن کا
کچل کر جو لیں حکمرانی
ہزاروں سروں کو، ستم کی نہیں حد
بہت اختلافات کی وجہ یہ ہے
نہیں اُس کو تسلیم کرتا
کوئی شخص جو رہ
دکھائیں
ہم اپنی چنندہ
کہ وہ سوچ اپنی ہے رکھتا
حکومت کے وارث ہیں ہم کو لڑاتے
وہ لیفٹسٹ اور رائٹسٹ ایواں والے
عوامی امنگوں کے قاتل
کرپٹ اور لٹیرے
ہیں بے حس
خزانے کو گھیرے
بڑے سب سے ہیں وہ ہی جاہل
ہیں جمہوریت کے خصائص نرالے

حقیقت
مٹا دی گئی ہے
ہر اک داستانِ سحر کی
اثر کر گئی جو کبھی ایک دل پر
بنا عالم و بحر و بر کی
گرا دی گئی ہے
عمارت
مناظر
نہیں سچ میں ایسے
خیالات بنی نظر پر
چلاتے ہیں رہتے غلط راستے پر
ہمیں اصلیت سے ہٹا کر
پھراتے ہیں جیسے
ہوں بے گھر
عقائد
ہیں دشمن بشر کے
جو بنی ہوں شر پروری پر
بنائیں جو انساں کو انسان دشمن
بدل کر محبت کے تیور
بناتے ہیں شر کے
مقلد

مذاہب نے بھی انساں کو ہے بکھیرا
زیادہ مذاہب فقط ہیں
تصور جو بانی
نے سوچا
کہ ہو مہربانی
مگر وہ زیادہ غلط ہیں
بنا کر کہا کہتا رب ہے یہ تیرا
مطابق ضرورت کے دیں کو بدلنا
ہے گرچہ ہمیشہ سے جاری
بہت نقصاں وہ ہے
کہ حکم
خدا ما سوا ہے
حجابِ دیں میں زر ہے جاری
ہیں پنہاں ہر اک جا، کٹھن ہے سنبھلنا
لڑایا زمیں، مال و عورت و زر نے
ہیں لاکھوں گھرانے اجاڑے
مگر اتحادِ
بشر اب
تلک ہے مرادِ
سکوں پروری، سب بگاڑے
نگر ہیں ہوس و مجنوں بشر نے

14 جنوری 2022ء

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

تیسرا اجلاس

2022ء

ابلیس :

ہے مسلّم آج بھی دنیا پہ سلطانی مری
نوعِ انساں کے لیے ہستی نہیں فانی مری

میں نے انساں میں ابھارا ملحدانہ سوچ کو
نظریے میں ہے مقلد نوعِ انسانی مری

روح کی گہرائیوں میں ہے بسیرا، ہر نظر
کو ہے رکھتی محوِ جلوہ جلوہ سامانی مری

کیا ہوں میں؟ ایسا ہوں کیوں؟ بے سود ہیں ایسے سوال
ہے بڑی پہچان سب عالم کی حیرانی مری

پہلا مشیر :

آپ کی شاطر دماغی الحفیظ و الاماں
آپ جو طے کر دیں، ہے انسان کا وہ ہی جہاں

سب فسانے آدمیت کی بھلائی کے فسوں
کیا بھلا وہ کر سکے ہوں آپ جس پر مہرباں؟

ہے بشر مسحور ایسی خود فریبی میں، اُسے
ہر عمل پر اپنے ہوتا آپ کا ہی ہے گماں

آپ کی خدمت میں ہم حاضر ہیں اک عرصے سے پر
آپ کے رازوں کے بن پائے نہیں ہم رازداں

مشیرِ اعظم :

سچ کہا، الحاد میں انسان کا کیا ہے مزاج؟

دوسرا مشیر :

ڈھونڈنے نکلے، نہ پایا لیک کچھ اس کا علاج

رب کی ہستی کے بھی بارے میں اٹھے ہیں کچھ سوال
سینۂ انساں زیادہ پہلے سے روشن ہے آج

ہیں بھٹکتے شرک اور الحاد کے اب بیچ میں
ہر طرف انسانیت کا چاہتے ہیں اب وہ راج

ہے مقدم دین اور ایمان سے انسانیت
ہو جہاں انسانیت، واں دین کی کیا احتیاج؟

یورپی مشیر :

کیا بتا سکتے ہو تم انسانیت کیا چیز ہے؟

دوسرا مشیر :

ہیں سبھی انساں برابر، بس یہی ترکیز ہے

یورپی مشیر :

ہے بشر تاویل کے پھندے کا اک دائم اسیر
یہ ہی منوانے کو ہر شے پر اثر تعویز ہے

جب بدل جاتا ہے مذہب اپنی اصلی شکل سے
مائلِ الحاد ہونے کی یہ صورت نیز ہے

پیدا ہو جاتی ہے جب انساں کے سینے میں خلش
یہ سمجھ لو پار کر لی کفر کی دہلیز ہے

تیسرا مشیر :
اصل سے اپنی بدلتا کیسے ہے مذہب بھلا؟

یورپی مشیر :
لوگ کہتے ہیں پیمبر اک ثنائی ہے خدا

دیتے ہیں انسان کو اولاد وہ رب کی قرار
اور بنا لیتے ہیں اک بچھڑے کو وہ حاجت روا

ہوتی ہیں تفسیریں جب مذہب کی زیرِ منفعت
تفرقے ہیں پھیلتے، اپنے ہیں سب کے رہنما

ہے بناتا اُن کو دشمن نظریوں کا فرق اور
دیں کی بدنامی کا باعث اُن کا ذاتی نظریہ

ہندوستانی مشیر :
بعد میں تحریفِ مذہب، پہلے مذہب کا جنم
ہے ہمارے سامنے ہر سو سرِ انسان خم

دیکھو نا، دونوں طرح وہ ہیں ہماری راہ پر
منکرِ رب ہوں یا پھر اپنے خدا مانیں صنم

رکھ لیا ہے کچھ نے اپنا نام ہی شیطاں پرست
شکلِ انسانی میں ڈھل کر ہم ہیں انسانوں میں ضم

کفر پر رکھی گئی بنیاد جن ادیان کی
اُن کے ہر اک ماننے والے کے بس وارث ہیں ہم

ابلیس :
ہے تصور سے وسیع انساں کے میرا انتظام
نظریے، سوچ و خرد، پھیلے ہوئے پیچیدہ دام

ہے نئے ادیان کی بنیاد میری زندگی
گو رکھے گوتم، گرونانک، بہاء اللہ، یا رام

ہیں ہمیشہ سوچتے جو چاہتا ہوں میں سبھی
ظاہراً سب ازم آراء کا ہیں میری احترام

چین اگر کہتا ہے مذہب دشمنِ انسان ہے
دشمنی ہے بدھ سے یا میری حکومت کا دوام؟

روسی مشیر :
چشمِ انسانی سے منظر تم بدل دیتے ہو کیوں؟

جنگی مشیر :
کیوں کہ بہہ جاتا ہے اِس سے لاکھوں انسانوں کا خوں

اشتراکیت نہیں لگتا تھا کہ جائے گی پھیل؟
پر شکستہ روس کا آخر ہوا تھا سر نگوں

روسی مشیر :
اشتراکیت سے کیا خطرہ تھا تب ابلیس کو؟

جنگی مشیر :
کچھ نہیں، مقصد بہانا تھا کچھ انسانوں کا خوں

یہ عمل کمزور کر دیتے ہیں ہر انسان کو
تا کبھی انساں کو نہ حاصل ہو جذبِ اندروں

تیسرا مشیر :

کر گیا انساں کو پاگل ڈارون کا "ارتقاء"
لوگوں نے اُس کو کہا "جس نے کیا قتلِ خدا"

سائنسی مشیر :

ہے ہنسی آتی مجھے انسان کی اِس سوچ پر
مان لے گا خود کو بندر، اس قدر پاگل ہے کیا؟

ارتقاء تکذیب ہے آدم کی ہی تخلیق کی
دینِ ابراہیم کی بنیاد رہ جاتی ہے کیا؟

دیکھنے، سننے کی طاقت اس کی ہے محدود، پر
جب ملا محدود سا اک علم، یہ کیا بن گیا؟

سہل میں نے کر دیا کرنا بہت ہے اب گناہ
باقی رہتی ہی نہیں انساں کے پاس اب کوئی راہ

بدنگاہی، بے حیائی کا سمندر ہے رواں
کرتے ہیں انساں خوشی سے اپنے ناموں کو سیاہ

کر دیا ہم نے اکٹھا اک جگہ پر اب انہیں
نہ یسر تھی جنہیں پہلے کبھی اک بھی نگاہ

کر لیا تسخیر اب انسان نے چرخِ کہن
یعنی اس کی دسترس میں ہیں ستارے اور ماہ

یورپی مشیر :

کیا کوئی خطرہ ہے ہم کو اب کسی کی ذات سے ؟

جنگی مشیر :

ہے سوال اچھا اٹھایا تم نے اپنی بات سے

ہونا پابندی سے باغی فطرتِ انسان ہے
بھول جاتا ہے وہ گزرے گر کٹھن حالات سے

ہندوستانی مشیر :

سچ کہا کہ علم نے انساں کو دی ہے آگہی
سوچتا ہے ذہن سے، اب نہ کہ وہ جذبات سے

بت پرستی ختم ہوتی جا رہی ہے ہر طرف
لوگ ڈرنے کو نہیں راضی کسی بھی ذات سے

یورپی مشیر :

ہاں! مگر اہلِ کلیسا قاریِ انجیل ہیں

امریکی سفیر :

وہ عقائد میں مگر خس کی طرح تحلیل ہیں

جانتے ہیں وہ مسیحا صدیوں پہلے آ چکا
لیک حکمِ رب کے اب بھی منتظرِ تعمیل ہیں

دوسرا مشیر :

وہ سمجھتے ہیں کہ وہ پیارے ہیں رب کی ذات کے
بہہ رہے اُن کے لیے جنت میں آ گے نیل ہیں

یورپی مشیر :

یعنی تم کہتے ہو، وہ سب حق کی رہ سے پھر گئے
سچ ہے لیکن سارے انساں ڈھونڈتے اب ڈھیل ہیں

مشیرِ اعظم :
آج کی مجلس کا ہے یہ سب سے سنجیدہ سوال
دین پر ہیں یا نہیں؟ کیا ہے مسلمانوں کا حال؟

روسی مشیر :
اشتراکیت کے نشے نے انہیں غافل کیا
عافیت ہیں کچھ سمجھتے، کچھ سمجھتے ہیں وبال

امریکی مشیر :
ایک عرصے سے نہیں اُن کا کہیں بھی سر اٹھا
ہم سمجھتے ہیں مسلماں ہو گئے غرقِ زوال

ہندوستانی مشیر :
ہیں غلام احمد، بہاء اللہ کے جیسے لوگ بھی
جن کو ہم نے بخشا تھا تجدیدِ مذہب کا خیال

پہلا مشیر :
ان مقاصد میں انہیں کچھ کامیابی بھی ملی؟

جنگی مشیر :
دنیا میں سب سے کٹھن ایمان پر ہے زندگی

اب زیادہ تر مسلماں بس برائے نام ہیں
جس گھرانے میں ہوئے پیدا، ملی پہچاں وہی

ہے برائی کون سی جس میں نہیں وہ پیش پیش
جھوٹ، رشوت، سود، حق کھانا، جوا، دھوکہ دہی

تفرقہ ہے اِس قدر، اسلام ہے اب بعد میں
فرقے متعین ہیں کرتے دوستی اور دشمنی

مشیرِ اعظم :

ہیں مسلمانوں میں جیسے شخص تھے ابنِ زیاد
ہے شریعت کے لغت سے مٹ گیا لفظِ جہاد

اپنی تہذیب اِن کو اب لگتی ہے غیروں سے حقیر
غیروں کی تہذیب کو اپنا کے یہ رہتے ہیں شاد

حکمِ رب کے ہی تکلف پر ہے اب ان کی اساس
دوستی ہے کافروں سے اور آپس میں عناد

دے رہے ہیں ان کو ہم پہلے ہی درسِ مصلحت
رہتا ہے اب خون ان کا زیرِ نقشِ انجماد

ہیں ہمارے ہی مقاصد ان کی اب تعلیم بھی
یہ برابر کرتے ہیں کفار کو تسلیم بھی

صرف پوجا سے ذرا پیچھے ہیں، پڑھتے ہیں نماز؟
ہو گئی مشکل شعارِ دین کی تعظیم بھی

دنیا داروں کے لیے ہے اوّلیں فکرِ معاش
دوم ہے اللہ کے احکام کی تفہیم بھی

گر محافظ خود خدا ہوتا نہیں قرآن کا
کر چکے ہوتے مسلماں اب تلک ترمیم بھی

ابلیس :

راج مستحکم کرو ہر قلبِ خود آگاہ پر
موڑ دو گر چلتا ہے کوئی خدا کی راہ پر

لڑ رہے ہیں دونوں جانب سے ہمارے ہی رفیق
ہے مرے لطف و عنایت کا ہی سایہ شاہ پر

امتِ مرحوم کے حامی جہاں خوابیدہ ہیں
ایک چادر میری جانب سے بھی اُس درگاہ پر

ہے محمد ﷺ کی شریعت دشمنِ اعظم مری
اور وہ ہر بندہ توکل جس کو ہے اللہ پر

19 فروری 2022ء

اویس قرنی رضی اللہ عنہ

اویس! عشقِ محمد ﷺ کی روشنی تم ہو
نبی سلام کہیں جس کو، اُمتی تم ہو

ترا وجود سراپا نثارِ دینِ نبی ﷺ
جو منکشف ہوا تم پر، تھا رازِ عشق وہی

ترا یقین تھا کامل اے میرے ماہِ یمن
ترے نقوشِ قدم پر نثار مشکِ ختن

نبی ﷺ کے عشق نے بخشا ہے وہ کمال تمھیں
جہاں کے ساتھ نہیں آئے گا زوال تمھیں

نبی ﷺ مدینے میں، آپ اُن کا حال جانتے تھے
نبی ﷺ بھی آپ کا عشق حقیقی مانتے تھے

مثالِ عشق جہاں میں نہیں ترے جیسی
بغیر دیکھے فدا کر دی زندگی اپنی

نہ دید گو ہوئی حاصل رسول ﷺ کی تم کو
تھی یاد کرتی واں محفل رسول ﷺ کی تم کو

رسول ﷺ تیری محبت پہ فخر کرتے تھے
امام تابعیں کا سب تمھیں ہی کہتے تھے

سجود ایسے کہ شب اک میں ہی گزر جائے
نہ ذکر ہو ترا تو عشق بھی ہے شرمائے

ہے کس میں سکت کہ مدحت کرے بیان تری
بروزِ حشر ہی سب پر کھلے گی شان تری

24 جنوری 2020ء

ہجر

عشق کا ترجمان ہوتا ہے
ہجر اک امتحان ہوتا ہے

روحِ الفت ہے، کیف پرور ہے
شمعِ خلوت ہے، نورِ الفت ہے

مونسِ غم ہے، یادِ جنت ہے
سوزشِ دل، سکونِ خلوت ہے

منزلِ عشق تک ہیں جذب بہم
دید، فرقت، وصال تین قدم

خامشی میں بھی اُس سے گرمِ سخن
ہر طرف وہ ہی شکل جلوہ فگن

لحظہ ہر جاتا ہے محبت میں
بیت اُس چہرے کی زیارت میں

ظاہری طور پر اکیلا ہے
اصل میں یادِ جاں کا میلہ ہے

رات جب سست گام چلتی ہے
شمعِ امید اور جلتی ہے

جو نہ تڑپے وہ باوفا ہی نہیں
ہجر بن عشق میں مزہ ہی نہیں

وصل کے کیف کا حساب نہیں
ہجر کچھ وجہِ اضطراب نہیں

29 فروری 2020ء

نوائے اختر

اختر شیرانی سے ماخوذ

ہزار بزم کے جیسی ہی مرگِ نیم شبی ہے
اسیرِ دل کے جہاں کی نوائے زیرِ لبی ہے

زبانِ شوق ہے تقصیر کیا بیان؟ عجب ہے
حضور آپ کے ذکرِ گنہ بھی بے اَدَبی ہے

غرورِ عشق گدا کو ہے کیا؟ مجال نہ تحفہ
چمکتیں اشکوں سے پلکیں دعائے نیم شبی ہے

خطائے رابطۂ راز کس طرح ہو گا ممکن
نگاہِ شوق تو مستِ ادائے بے اَدَبی ہے

مدارِ دوستی جو چشمِ وفا ہو بہ منافق
حجاب میں چھپی اسلام کے یہ بولہبی ہے

دو چیزیں ہیں کہ جواں ہیں، جوانی سے ہیں ہم آہنگ
نگاہِ شوخ فسوں ساز دو کدہ عَنَبی ہے

بہار آنے پہ پھر سے جوان ہو رہی ہے دل
وہ ایک آرزو جو درد کے جہاں میں دبی ہے

جفا سے لے رہی ہے وہ مری وفا کی شہادت
نہاں ستم میں بھی اُس کے مری وفا طلبی ہے

جوابِ شعرِ گرامی میں لکھ رہا ہوں اے اختر
دکھانا اپنا ہنر یار کو گو بے اَدَبی ہے

10 دسمبر 2019ء

اپارٹمنٹ خالی کرتے ہوئے

پر اثر جیسے مقدر، و نظر طوفاں کش
مسکراہٹ کے نشاں صاف کیے دیتے ہیں
ہیں کھرچ دیتے پلستر بڑی بے دردی سے
خودکشی کا یوں بیاں صاف کیے دیتے ہیں

اس میں رہتا تھا میں جب، میں نے یہاں کیا کیا تھا
وہ سمجھ لیتے ہیں سب کمرے کی دیواروں سے
دارچینی کی طرح پیس کے رکھ دیتے ہیں
کر کے خوں ریزی مرے بھوت کی ہتھیاروں سے

"بند اور آسماں" شعلوں میں نظر آتے ہیں
اشتہارات سبھی میرے جلا دیتے ہیں
موت کی طرح ہر اک چیز نئی لگتی ہے
میری آواز کے بھی نقش مٹا دیتے ہیں

لوگ لاتا ہے نئے اس میں مکاں مالک جب
اپنی یادیں بھی مجھے غیر نظر آتی ہیں
روشن امید سے خاتون کا مستقبل ہے
اپنے خاوند کو تفصیل سے سمجھاتی ہے

کیسے پالیسیاں دیکھیں گے وہ انشورنس کی
بھول جاتے ہیں مرا پیارا وہ فرنیچر سے
آڑی ترچھی سی لکیریں ہیں کھنچی میز پہ کچھ
خوبصورت نظر آتی ہے یہ عورت ویسے

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اُن کو ہے دیتا مالک
دودھ پیتے ہوئے بچوں کی کھنک سنتا ہوں
رکتا ہے دل مرا، لیتے ہیں کرائے پہ وہ گھر
قبر کی تختی لیے گھر سے نکل جاتا ہوں

آغا شاہد علی

17 اکتوبر 2021ء

بارش

ولیم ہینری ڈیوس

میں سنتا ہوں پتے پیتے بارش
کہ جو ہیں اوپر امیر پتے
غریب پتوں کو دے رہے ہیں
گرا کر ایک ایک قطرہ نیچے
ہیں سننے میں لگتے کتنے اچھے
قریب پیتے ہیں سبز پتے

تبھی نمودار ہوگا سورج
کہ جس سے ختم ہوگی برکھا
حسین اک روشنی دے گی بھر
ہر ایک تاریک گول قطرہ
بہت ہی چمکے گا تیز خاور
حسین ہوگا بہت وہ منظر

07 فروری 2022ء

چیری

الفریڈ ایڈورڈ ہاؤسمین

شجر حسیں سب سے چیری ہے اب
گئی ہیں شاخیں شگوفوں سے بھر
سجا کھڑا بن کے راستے پر
سفید پھولوں سے ایسٹر پر

حیاتِ ستّر برس سے میری
کبھی بھی بیس اب نہیں مڑیں گے
وہ بیس اگر میں نکال دوں تو
پچاس باقی فقط بچیں گے

سو حسنِ فطرت کو دیکھنے کو
پچاس کم ہیں بہت بہاریں
میں جاؤں گا بن میں دیکھنے کو
سفید چیری کی کھلتی شاخیں

12 مارچ 2021ء

حسن

جان کیٹس

خوشی ہمیشہ کی ہے حسیں شے، بڑھے گا پیارا پن اور کبھی بھی
نہ ہوگی معدوم؛ پر سکوں نیند کے لیے گوشہ وہ رکھے گی

حسین سپنوں، سکوں کی سانسوں، شفا سے معمور، ہم تبھی تو
لپٹتے پھولوں کی ڈور سے ہیں، زمین سے جوڑ دے جو ہم کو

جو نا امیدی، حسین فطری نظاروں، اندھیرے خشک وقتوں
میں یاس کی جا خلافِ صحت، زیادہ تاریک سارے رستوں

کے ہوتے ہے کہر جھاڑتی اک تلاش کرتی نظر کی خاطر
ہماری تاریک روحوں سے جیسے چاند، سورج، کلی و ساحر

نئے پرانے درختوں سے پھوٹتی ہوئی کونپلوں کا سایہ
جو عام بھیڑوں کے واسطے تو ہیں آبی نرگس کا اک عبایہ

جو سبز دنیا میں رہتی ہیں، ان کے ساتھ شفاف ندیاں بہتی
جو موسمِ گرما سے، بچاؤ کو ہیں بناتی تہ اک چھپی سی

مہکتے پھولوں کی جا بجا پھوٹتی ہوئی کونپلوں سے مہکا
شدید گرمی سے دور، جنگل کے بیچ کا وہ گھنا علاقہ

خیال جن کا وصالِ عظمت کی شکل میں ہم بنا چکے ہیں
وہ سب نظارے زمین کو بھی جو رشکِ جنت بنا چکے ہیں

یہی اُس آبِ حیات کے غیر منتہی چشمے کا ہیں پانی
وہ ایک چشمہ ہے جس کا منبع کنارہِ خلدِ آسمانی

19 فروری 2022ء

برفباری کی شام جنگل میں قیام

ولیم ورڈزورتھ

ہے کس کا یہ جنگل مجھے ہے خبر
قریب ایک گاؤں میں ہے اُس کا گھر
نہیں دیکھے گا مجھ کو ٹھہرا یہاں
ہوں تکتا جھکی برف سے بن کو بھر

مرے گھوڑے کو یہ لگے گا عجیب
ٹھہرنا نہیں گھر جہاں پر قریب
زمستانی جھیل اور جنگل کے بیچ
اندھیری تریں سالہ شام غریب

گلے کی وہ گھنٹی ہے دیتا بجا
مجھے پوچھنے کو ہوئی گر خطا
ہیں آواز کرتے علاوہ ازیں
یہ ہلکے سے گالے یہ ٹھنڈی ہوا

پراسرار جنگل ہے پیارا گھنا
مگر مجھ کو وعدے ہیں کرنا وفا
ہے چلنا کئی میل سونے سے قبل
ہے باقی ابھی تو بہت فاصلہ

19جنوری 2021ء

سکندر تھیبس میں

اینا اخماتوا

شہنشہ غصے میں تھا، سوچتی ہوں، اور جواں بھی تھا
کہا جب اُس نے کہ ہم تھیبس ملیامیٹ کر دیں گے
پرانے چیف نے سمجھا کہ اب اِس شہر کی طلعت
کھو اُن گیتوں سی جائے گی جو ساگا لوگ ہیں گاتے

"جلادو سب" شہنشہ اب کہے گا سب سمجھتے تھے
در اور مینار، مندر، جو کہ سب دولت سے تھے معمور
مگر کھویا تھا سوچوں میں، سکوں سے وہ لگا کہنے
"ادا کرتے رہو نگراں کا خرچہ، اور رہو مسرور"

22فروری 2022ء

فرصت

ولیم ہینری ڈیوس

تفکر سے بھرپور کیا زندگی ہے؟
نظاروں کو دیکھیں، نہیں وقت ہی ہے

نہیں وقت شاخوں کے نیچے کھڑے ہوں
کہ بھیڑ اور گائے سا ہم دیکھتے ہوں

نہیں وقت دیکھیں کہ جب گزریں بن سے
گلہری گری گھاس میں جب چھپائے

نہیں وقت ہم روزِ روشن میں دیکھیں
ستارے ندی میں، وہ جوں شب کو چمکیں

نہیں وقت آنکھ اک حسینہ کو دیکھے
کہ اُس کے قدم رقص کرتے ہیں کیسے

نہیں وقت دیکھیں کہ وہ مسکراہٹ
سجے رخ پہ ہے جس کی آنکھوں میں آہٹ

تفکر بھری بے مزہ زندگی ہے
نظاروں کو دیکھیں، نہیں وقت ہی ہے

07فروری 2022ء

پری کا گیت

ولیم شیکسپیئر

کوہ پر، وادی پر، کیکر اور آب سے
پارک پر، رنگ پر، آگ و سیلاب سے

سیر کرتی گزر کر ہوں میں ہر جگہ
ہوں مدارِ قمر سے بھی سرعت فزا

کرتی ملکہ پری کی ہوں خدمت سدا
سبزے پر اوس ہے اُن کی مہرِ ادا

زرد گل منحصر اُن کی ہوں شان پر
ہے سنہرے نشانوں پہ پڑتی نظر

ہوں گہر، ہے فدا جن پہ ہر اک پری
ہر شکن جن کی ہے ذائقوں سے بھری

مجھ کو شبنم کے قطرات یاں ڈھونڈ کر
چاہیے رکھنا ہر گل میں اک اک گہر

26فروری 2022ء


حسن ایسا جلوہ گر اور اُس پہ سائرؔ کی نظر
الاماں و الحذر
ناظمہ زرسنر